اندلس میں مسلم حکمرانی کا دور زوال:
چند اہم فقہی مباحث کا مطالعہ

ڈاکٹر تنویر احمد☆

ABSTRACT

The Muslim eight centuries rule over the Iberian Peninsula (711-1492) began to totter in the eleventh century and finally came to an end with the fall of Granada. During this age of the decline of Muslim rule, large Muslim population and settlements in the Iberia continually fell under the rule of northern Christian states. This new political configuration of the land brought a series of serious challenges to the Muslim population of these newly conquered lands. Among these challenges, a few were of (fiqhī) nature. The juristic response to this situation was reflected in fatawas and such other juristic correspondences that were either lost or remained unpublished until recent times. With the growing interest in the current Muslims presence in the West, some of these materials have been unearthed and published. Although the newly retrieved materials do not give the detailed account of the fiqhi debates that became current in those times yet these are helpful to identify the main features of these debates. The present article is an attempt to this direction.

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

مقالہ نگار اپنے ساتھی Massimo Bon, Istituto Italiano di Studi Orientali, Sapienza, Universita di Roma کا شکر گزار ہے، جنہوں نے مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں اہم مواد فراہم کیا۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IRI, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

اندلس میں مسلمانوں کا دور زوال: سیاسی وجغرافیائی منظرنامہ

اندلس[۱] پر مسلمانوں کا عہدلگ بھگ آٹھ صدیوں (۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء)پر محیط تھا۔[۲] اس میں ابتدائی

۱- اندلس کا اطلاق اس جزیرہ نما خطہ پر ہوتا ہے جہاں پر موجودہ زمانہ میں سپین اور پرتگال واقع ہیں۔ تاریخی طور پر سپین اور پرتگال ایک ہی علاقہ تھا اور اس جزیرہ نما کو آئی بیریا (Iberia) کہا جاتا تھا۔ اندلس کی وجہ تسمیہ دریافت کرنا مشکل ہے۔ مشہور رائے یہ ہے کہ اندلس وندالوں (Vandals)(عربی میں الأندلیش یا فندلیش) سے منسوب ہے جنہوں نے جزیرہ نما آئی بیریا سے گزرتے وقت (بیٹیکا (بتیقا) (Baetica) کا نام واندلیکیہ یا واندلیسیہ رکھ دیا۔ اندلس کا نام خاصا قدیم ہے ۹۸ھ/۷۱۶ء کے ایک دو لسانی دینار میں الاندلس کا مرادف Spania استعمال کیا گیا ہے۔ ہسپانوی لاطینی تاریخ دان جزیرہ آئی بیریا کے لیے سپانیہ یا ہسپانیہ استعمال کرتے ہیں جس میں وہ تمام علاقے شامل ہیں جہاں پر مسلمانوں یا عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ اس کے برعکس عرب مؤرخین کے ہاں اندلس کا اطلاق صرف انہی علاقوں پر ہوتا تھا جو مسلمانوں کے زیر اقتدار تھے اگرچہ اس کی جغرافیائی حدود میں تغیر آتا رہا ہو۔ چنانچہ اندلس میں اسلامی اقتدار کے آخری زمانہ میں جب اسلامی مملکت غرناطہ کے بنونصر کی امارت تک محدود ہوگئی تھی اس کے لیے بھی اندلس کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : محمد عنایت اللہ ، **اندلس کا تاریخی جغرافیہ** لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۲-۳۔ سیّد ریاست علی ندوی، تاریخ اندلس (اعظم گڑھ : مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۶۹ھ، ص ۱تا۳۱۔ G. S. Colin الاندلس در **اردو دائرہ معارف اسلامیہ**، طبع اوّل ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء جلد۳، ص ۳۲۲ اور ۳۲۳۔ ڈاکٹر محمد خالد مسعود، اندلس میں اسلام کی سرگزشت در ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن (ترتیب وتدوین) **اندلس کی اسلامی میراث** (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، اشاعت دوم، ۲۰۰۵ء، ص ۵ تا ۷)

۲- اندلس میں مسلم حکمرانی کے دور کی تاریخ کے بارے میں اردو زبان کا دامن ایسی تالیفات سے خالی ہے جو استنادی نوعیت کی ہوں۔ اس سلسلہ میں بیشتر کام عربی یا انگریزی کتب کے ترجمہ کا ہے۔ (دیکھئے: اختر راہی، **کتاب نامہ اندلس در اندلس کی اسلامی میراث**، ص ۷۴۵-۷۹۰ عربی زبان میں اندلس کی تاریخ کے متعلق بنیادی کتب یہ ہیں: احمد بن محمد المقرّی التِلمِسَانی، یوسف الشیخ محمد البقاعی (تحقیق)، **نفح الطیب من غصن الأندلس الرطیب وذکر وزیرها لسان الدین ابن الخطیب** (بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸م، طبعہ اوّل) (اس کا اردو میں ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن سرادہوی نے کیا ہے (مولوی خلیل الرحمٰن سرادہوی (مترجم) **نفح الطیب یعنی اندلس کے حالات پر علامہ مقری کی مشہور کتاب**، مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ، ۱۹۲۱ء ۔ لسان الدین بن الخطیب، محمد عبداللہ عنان (تحقیق)، **الإحاطة فی أخبار غرناطة**(قاہرہ، مکتبہ الخانجی، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء ، طبعہ دوم)۔ ابوعبد اللہ محمد بن فتوح بن عبد اللہ الحمیدی، محمد بن تاویت الطنجی (تحقیق)، **جذوة المقتبس فی ذکر ولاة الأندلس**، (قاہرہ :نشر الثقافۃ الاسلامیۃ، =

تین صدیاں غلبہ کی تھیں اور اس عرصے میں ان کے مد مقابل کوئی طاقت نہ تھی۔ تاہم گیارہویں صدی عیسوی میں اس خطہ میں قوت کا توازن مسلمانوں کے خلاف بڑھنے لگا۔ ۱۰۰۲ء میں خلیفہ منصور کی وفات کے بعد قرطبہ (Cordova) کی خلافت جو اس وقت مغربی بحیرہ روم (Mediterranean Sea) کی مضبوط ترین سیاسی قوت تھی ایک دہائی ہی میں ختم ہوگئی۔ اس کے بعد اندلس کا تمام علاقہ سیاسی ابتری کا شکار ہوگیا جس کا نتیجہ ۱۰۳۱ء میں اموی مرکزی خلافت کے زوال کی صورت میں نکلا۔ جونہی خلافت ختم ہوئی اندلس کے علاقہ

= ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء، طبعہ اول)۔ امیر شکیب ارسلان، الحلل السندسية فى الأخبار والآثار الأندلسية، (القاهرة، مطبعة السادة عیسی البابی الحلبی)، ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹م، محمد عبد اللہ عنان، دولة الإسلام فى الأندلس: العصر الرابع نهاية الأندلس وتاريخ العرب المتنصرين (قاہرۃ، مکتبہ الخانجی، ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۴۹ء)۔ ____، دولة الإسلام فى الأندلس (قاہرۃ،مکتبہ الخانجی، ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء، طبع اوّل)۔ ابن بشکوال، ابراہیم الأبیاری (تحقیق) الصلة، (قاہرۃ، دار الکتاب المصری، بیروت، دار الکتاب اللبنانی، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء)۔ ابن القوطیہ، تاريخ فتح الأندلس، (ازہر، المکتبہ والمطبعہ المحمودیہ، تاریخ طبعہ ندارد)

یورپی زبانوں میں ہسپانوی تاریخ پر اہم کام ولندیزی مستشرق رائن ہارٹ ڈوزی(Reinhart Dozy) (۱۸۲۰-۱۸۸۳ء) کا ہے۔ ان کی فرانسیسی تالیف(Historie des Musulmans D`Espagne) کا ترجمہ فرانسز گریفن سٹوک(Francis Griffin Stokes) نے انگریزی زبان میں کیا ہے :

Reinhart Dozy, Francis Griffin Stokes (Trans.), Sp*anish Islam: A History of the Moslems in Spain,* (Karachi: Karimsons, 1976).

دیگر انگریزی مصادر یہ ہیں:

L. P. Harvey, *Islamic Spain 1250 to 1500*, (Chicago: The University of Chicago Press, 1990)____, *Muslims in Spain 1500 to 1614,* (Chicago: The University of Chicago Press, 2005 (paper back edition 2006)). W. Montgomery Watt and P. Cachia, *A History of Islamic Spain,* (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1965, reprinted 1967). Ameer Ali Syed, *A Short History of the Saracens,* (London: Macmillan & Co Ltd. 1955). Joseph F. 'Callaghan, *A History of Medieval Spain,* (Ithaca: Cornell University Press, 1975). Hugh Kennedy, Muslim Spain and Portugal: Al-Andalus and its Neighbours in David Luscombe and Jonothan Riley-Smith (eds.) *The New Cambridge Medieval History IV c* 1024- c. 1198 Part 1 (Cambridge: Cambridge University Press, 2004), P.599- 622.

میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئیں جن کی تعداد بیس سے زیادہ تھی۔[۳] ان ریاستوں کے سربراہان کو تاریخ ملوک الطّوائف کے نام سے یاد کرتی ہے۔[۴] اندلس کے اس طرح طائفہ سلطنتوں میں بٹ جانے کا لازمی نتیجہ خطہ میں مسلمانوں کی عسکری کمزوری نکلا جس نے شمال میں موجود عیسائی بادشاہوں کومسلم علاقہ میں مداخلت کی دعوت دی۔ انہوں نے پہلے پہل اپنی قوت کے بل بوتے پر ملوک الطّوائف پرخراج نافذ کیا اور بعد میں ان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا شروع کر دیا۔

قبضہ کا یہ سلسلہ اندلس کے وسطی اور مشرقی علاقوں میں ۱۰۴۵ء میں شروع ہوا جب نیارہ (Navarre) کے حکمران گارسیا ڈی ناجیرہ (Garcia de Najera) نے قلعہ الحجر (Calahorra) پر قبضہ کر لیا۔ دوسری طرف بارسلونا (Barcelona) کے ریمن بیرینجر (Ramon Berengner) نے وادی اُبرہ (Ebro) کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے طرطوشہ (Tortasa) اور لاردہ (Lerida) کو بالترتیب ۱۱۴۸ء اور ۱۱۴۹ ء میں زیرنگیں کر لیا۔ مغرب کی جانب سے قشتالہ (Castile) کے حکمران الفانسو ششم (Alfonso VI) نے پیش قدمی کی اور مسلم آبادی کے اہم شہر طلیطلہ (Toledo) پر ۱۰۸۵ء میں قبضہ کر لیا۔[۵]

مرابطین کا عہد[۶]

طلیطلہ پر عیسائی قبضے نے اندلس کی مسلم آبادی میں خطرے کا طبل بجا دیا۔ جلد ہی وہاں کے حکمرانوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ عیسائی جارحیت کو روکنے کی سکت نہیں رکھتے۔ مجبوراً مدد کے لیے ان کی نظر مرابطون پر گئی جو اس وقت مغرب(مراکش) پراپنا مکمل تسلط جما کر ہسپانیہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔

اشبیلیہ (Seville) کے معتمد، غرناطہ (Garanada) کے عبد اللہ، بطلیوس(Badajoz) کے متوکل اور

۳- اہم ریاستیں یہ تھیں: بلنسیہ، دانیہ وجزائر بلیار، ارکش، البونت، قرطبہ، ولبہ، غرناطہ، شنتمریہ (سانتاماریا) مورور، مرسیہ، قرمونہ، المریہ، رندہ، سرقسطہ، بطلیوس، اشبیلیہ، لبلہ، باجہ، طلیطلہ، بربشتر، شنتمریہ (غرب)

۴- دیکھئے: ڈاکٹر امین اللہ وثیر، **اندلس کا عہد ملوک الطّوائف،** در ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، **اندلس کی اسلامی میراث،** ص ۲۱۷

David Wasserstien, *Rise and Fall of the Party Kings*(Princeton: Princeton University Press, 1985)

۵- Thomas F. Glick, *Islamic and Christian Spain in the Early Middle Ages*(Leiden: Brill, 2005), p. 37-39. Hugh Kennedy, Muslim Spain and Portugal: Al-Andalus and its Neighbours p. 606 611.

۶- W. Montgomery Watt, *A History of Islamic Spain*, p 95-102

دوسرے حکمرانوں کی درخواست پر مرابطی جرنیل یوسف بن تاشفین نے ۱۰۸۶ء میں آبنائے جبرالٹر کو عبور کیا اور بطلیوس کے شمال مشرقی علاقے، جسے یورپی مؤرخین Sagrajas یا Zagrajas اور مسلم مؤرخین زلاقہ (Zallaqa) کے نام سے جانتے ہیں، میں الفانسو ششم کی افواج کو فیصلہ کن شکست دی تاہم جلد ہی مرابطی افواج مراکش (شمالی افریقہ) لوٹ گئیں۔ جنگ زلاقہ میں گو کہ عیسائی افواج کو شکست ہوئی مگر خطے میں قوت کا توازن عیسائیوں کے حق میں رہا اور قشتالیہ کے عیسائی حکمران اب بھی ملوک الطّوائف سے خراج وصول کرتے رہے۔ ۱۰۹۰ء میں یوسف بن تاشفین کی افواج دوبارہ سپین میں داخل ہوئیں، لیکن اس بار ان کی آمد "مددگار " کی حیثیت سے نہیں بلکہ ''فاتح'' کی حیثیت سے تھی۔ چنانچہ مرابطی فوج نے تمام ملوک الطّوائف کو ایک ایک کر کے معزول کر دیا۔ اس طرح ۱۰۹۰ء میں غرناطہ اور اس کے اگلے سال اشبیلیہ اور امیریہ (Almeria) پر مرابطین نے بآسانی قبضہ کر لیا۔ بطلیوس بھی ۱۰۹۴ء میں ان کے زیرنگین ہوگیا، البتہ اندلس کے مشرقی علاقہ بلنسیہ، مرسیہ اور اس کے ملحقہ علاقوں (Levante) میں ان کو عیسائی افواج، جس کی قیادت السید(۷) (El-Cid) کر رہا تھا، سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور اس پر قبضہ ۱۰۹۹ء کو مکمل ہوا۔ خطہ میں مرابطی فتوحات اگرچہ اس بات کی نشاندہی کر رہی تھیں کہ یہاں قوت مسلمانوں کے ہاتھ ہے: تاہم

۷- السید (El-Cid) کا نام Rodrigo Diaz de Vivar تھا۔ وہ ایک قشتالی (Castilian) سردار تھا۔ ۱۰۸۱ء میں الفانسو ششم سے اختلافات کے بعد اس نے اپنی خدمات سرقسطہ (Saragossa) کے مسلم حکمران کو پیش کیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے اپنی فوج تشکیل دی اور عوض علاقہ کے حکمرانوں کو اپنی فوجی خدمات فراہم کرتا رہا۔ اس نے مسلم اور مسیحی حکمرانوں کے خلاف متعدد جنگیں بھی لڑیں۔ بلنسیہ، مرسیہ اور ان سے ملحقہ علاقوں میں اس کی قوت کا اثر ورسوخ تھا۔ اندلس کے مشرقی علاقوں پر السید کا قصہ کچھ یوں ہے :جب قادر بن ذی النون کو طلیطلہ سے نکالا گیا تو اسے بلنسیہ (Valencia) کا حکمران بنا دیا گیا مگر وہاں اس کا اقتدار انتہائی غیر مقبول رہا۔ عبد القادر کی اس غیر مقبولیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۰۹۲ء میں قاضی ابن حجاف (ابو احمد جعفر بن عبد اللہ بن جحاف) اسے اقتدار سے الگ کر کے خود اقتدار پر براجمان ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت السید قشتالیہ کے الفانسو ششم کے خلاف جنگ میں مصروف تھا اور علاقہ میں موجود نہ تھا۔ ۱۰۹۴ء میں السید نے اقتدار پر قبضہ کر کے قاضی ابن حجاف کو زندہ جلا دیا۔ ۱۰۹۴ء تا ۱۰۹۹ء تک السید مرابطون کے حملے پسپا کرتا تھا۔ ۱۱۰۱ء میں اس کو بیوہ Chimene نے علاقے کا اقتدار مرابطین کے حوالے کر دیا۔ دیکھئے: امیر شکیب ارسلان، **الحلل السندسية في الأخبار والآثار الأندلسية**، ج ۳، ص ۵۲-۵۸، السید کے مزید حالات جاننے کے لیے ملاحظہ ہو:

Simon Barton and Richard Fletcher, trans., *The World of El Cid: Chronicles of the Spanish Reconquest*, (Manchester: Manchester University Press, 2000).

مرابطی افواج طلیطلہ پر دوبارہ قبضہ میں ناکام رہیں۔

اندلس میں مرابطین کا دور پر امن رہا اور خطّہ میں مسلم قوت کی بالادستی رہی۔ تاہم مرابط حکمران وہاں کی مقامی آبادی سے الگ تھلگ رہے اور مقامی رواج کے بجائے انہی عادات واطوار پر عمل کرتے رہے جو صحاری (Sahara) میں رائج تھے۔[۸] مرابطین نے ٹیکس کی مد میں بہت سی اصلاحات کیں اور کئی ظالمانہ ٹیکسوں کا خاتمہ کیا۔ مرابطین کا دور اس لحاظ سے بھی ممتاز رہا کہ اس میں سلطنت کا نظم ونسق چلانے کے لیے علما سے مدد لی گئی۔[۹]

بارہویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی میں اندلس پر مرابطین کی گرفت کمزور ہونے کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔[۱۰] ۱۱۱۸ء میں سرقسطہ (Saragossa) صرف آٹھ سال مرابطین کے ہاتھ میں رہنے کے بعد آراگونیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی قدیم آبادیاں طلیطلہ (Tudela) قلعہ ایوب (Calatayud)(۱۱۲۱ء) اور دروقہ (Daroca)(۱۱۲۲ء) بھی ہاتھ سے نکل گئیں۔ آراگون کے الفانسو اوّل نے ستمبر ۱۱۲۵ء میں اندلس کے مشرقی علاقہ (Levante)، غرناطہ، قرطبہ اور جنوبی ساحلی علاقے مطریل Motril)) تک غارت گری کی۔ تاہم جب ۱۱۲۶ء میں تاشفین بن علی کو اندلس کا گورنر بنایا گیا تو خطے میں مرابطین کے اقتدار کو سہارا مل گیا۔

۱۱۴۵ء میں مغرب (مراکش) میں موحدین[۱۱] کے ہاتھوں مرابطین کے زوال کے بعد اندلس کی سیاسی

۸- ان میں ایک رواج یہ تھا کہ مرد نقاب کرتے تھے اس لیے انہیں ملثمون بھی کہا جاتا تھا۔ نقاب کرنے کی وجوہات کے بارے میں مؤرخین نے کئی وجوہات بتائی ہیں ان میں سے ایک وجہ صحرائی علاقے میں گرمی اور غبار سے بچنے کے لیے چہرہ ڈھانپنا بھی تھا۔

۹- اس سلسلہ میں ابو ولید بن رشد (۱۱۲۶ء ت) اور اشبیلہ کے ابوبکر بن العربی (۱۱۴۸ء ت) نے اندلس کے عوام اور مرابطین کے درمیان افہام وتفہیم کے لیے اہم کردار کیا۔

۱۰- گرفت کی اس کمزوری کا اہم سبب ۱۱۰۶ء میں یوسف بن تاشفین کا انتقال تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا علی بن یوسف حکمران بنا لیکن وہ زیادہ تر وقت سلطنت کے مرکز مراکش میں گزارتا۔ اس نے ۱۱۴۲ء تک اندلس پر حکمرانی کی۔

۱۱- موحدین ابتداء میں ایک دینی تحریک تھی۔ اس کے سربراہ ابن تومرت تھے۔ جو عقیدہ کے لحاظ سے اشعری تھے۔ موحدین ایک بربری مگر مرابطی مخالف تحریک تھی جس نے مراکش میں مرابطین کے اقتدار کا خاتمہ کیا۔ سلطنت موحدین کے بانی عبدالمؤمن (۱۱۳۰ء-۱۱۶۳ء) تھا جس نے مراکش پر قبضہ کر کے ۱۱۶۲ء میں باقاعدہ اندلس کی طرف لشکرکشی کی تیاری شروع کی مگر موت نے اس کو یہ مہلت نہیں دی۔

حالت غیر یقینی ہوگئی اور وہاں کے مقامی سردار ہی اپنے اپنے علاقوں کے حقیقی حکمران بن گئے۔ اس طرح خطے میں ملوک الطّوائف کے دوسرے دور کا آغاز ہوا۔

موحدین کا عہد[۱۲]

جب موحدین نے مغرب (مراکش) میں اپنی حکومت مستحکم کر لی تو وہ اپنی سلطنت کی توسیع کے لیے اندلس کی جانب متوجہ ہوئے۔ یہاں ان کو ملوک الطّوائف کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مزاحمتوں میں قرطبہ کے امیر ابن مردانش کی مزاحمت قابل ذکر ہے۔ تاہم ۱۱۷۲ء میں ابن مردانش کی وفات کے بعد قرطبہ موحدین کے قبضے میں آ گیا۔

موحدین کی دونسلوں نے آدھے سپین پر حکمرانی کی اور وہ ۱۲۱۲ء تک خطے میں غالب رہے۔ اس دوران جنگ وجدل کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان جنگی واقعات میں اہم واقعہ موحدی خلیفہ یعقوب منصور(۱۱۸۴ء-۱۱۹۹ء) کا ۱۱۸۹ء میں شلب (Silves) پر دوبارہ قبضہ تھا جس پر پرتگالیوں نے ہسپانوی عیسائی بادشاہوں کی پشت پناہی سے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد موحدین اور قشتالیہ ولیون کی سلطنتوں کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوا جس کی مدت پانچ سال تھی۔ معاہدہ کے اختتام پر جنگی محاذ میں گرمی آئی اور آنے والے سالوں میں دو اہم جنگیں لڑی گئیں ۔ پہلی جنگ معرکہ ارک (Alarcos) کے نام سے مشہور ہوئی جو یعقوب منصور اور قشتالہ کے الفانسو ہشتم کے درمیان ۱۱۹۵ء میں لڑی گئی اور اس میں عیسائی افواج کو بھاری شکست سے دوچار ہونا پڑا ۔تاہم اس فتح سے مسلمان فائدہ اٹھانے سے قاصر رہے ۔

دوسری طرف خطے میں عیسائی اس شکست پر بہت سیخ پا ہوئے اور آپس میں متحد ہونا شروع ہوئے۔ ان کے مذہبی رہنماؤں نے مسیحی حکمرانوں کے باہمی اختلافات اور جھگڑوں کو ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ نہ صرف سپین بلکہ Pyreness کی دوسری طرف صلیبی جنگیں شروع کرنے کی دعوت دی گئی۔ ابھی تک بظاہر خطے میں موحدین غالب تھے لیکن جو نہی جنگیں شروع ہوئیں تو یہ بات واضح ہوتی گئی کہ اب خطے میں

۱۲- Allen J. Fromherz, *The Almohads: The Rise of an Islamic Empire* (London: I. B. Tauris, 2010). W. Montgomery Watt and P. Cachia, *A History of Islamic Spain*, p. 103-111. Hugh Kennedy, Muslim Spain and Portugal: Al-Andalus and its Neighbours p. 610-622.

طاقت کا توزان مسلمانوں کے خلاف ہے۔

جولائی ۱۲۱۲ء میں قشتالیہ، نیارہ، آرگون اور لیون کی متحد افواج طلیطلہ کے جنوب کی جانب چلیں اور Las Navas de Tolosa کے مقام پر موحدی فوج، جس کی قیادت خلیفہ محمد ناصر (۱۱۹۹ء -۱۲۱۴ء) کر رہا تھا، کے مدّمقابل ہوئیں۔ اس کو معرکہ عقاب کہا جاتا ہے جس میں موحدین کو مکمل شکست ہوئی۔ تاہم عیسائیوں کی اس فتح کے اثرات ان کے باہمی اختلافات کی وجہ سے فوری طور پر نمودار نہیں ہوئے۔ دوسری طرف محمدناصر کا اچانک ۱۲۱۳ء میں انتقال ہوگیا اور اس کا ۱۵ سالہ بیٹا ابو یعقوب یوسف دوم گرتی ہوئی سلطنت کو سنبھالنے کے قابل نہیں تھا۔

اب اندلس میں طاقت کا خلا پیدا ہو چکا تھا اورایک بار پھر ملوک الطّوائف کا ظہور ہوا ۔جن میں مرسیہ کا محمد بن ہود (۱۲۲۸ء تا ۱۲۳۸ء) اور غرناطہ کا محمد (اوّل) بن احمر قابل ذکر ہیں ۔ محمد بن ہود (۱۲۲۸ء تا ۱۲۳۸ء) نے عیسائی افواج سے مزاحمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب کہ محمد اول بن احمر، جس نے غرناطہ میں ۱۲۳۸ء تا ۱۲۷۳ء تک حکمرانی کی، نے اپنے آپ کو قشتالیہ کا باج گزار بننے کی پالیسی اختیار کی اورکئی مواقع پر اس نے مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مدد بھی کی۔غرناطہ، الامیریہ اورMalaga کے علاقے اس کے پاس رہے۔

بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں جیّان Jaen، قرطبہ، اشبیلیہ اور مرسیہ، قشتالیہ کے قبضے میں جب کہ بلنسیہ اور جزائر Balearic Islands آرگونیوں کے قبضے میں آ گئے۔مسلمانوں کے ہاتھوں سے سوائے دو علاقوں کے اندلس نکل چکا تھا۔ اور وہ دو علاقہ یہ تھے: غرناطہ اور Crevillente Qarbalyan۔[۱۳]

اہل دجن کی آبادیاں

ان تاریخی واقعات، جن کا ذکر اوپر کی سطور میں باختصار ہوا، سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اندلس میں مسلم حکومت کا زوال یک دم نہیں ہوا، بلکہ زوال کی اس داستان میں، جو چارسے زائد صدیوں پہ محیط ہے، کئی مواقع ایسے بھی آئے جب خطّہ میں مسلم اقتدارمستحکم ہوا اور عیسائی فتوحات رک گئیں، تاہم طاقت کے توازن کے بدلنے سے خطہ میں آبادی کے لحاظ سے کئی اہم تبدلیاں رونما ہوئیں ۔ ان تبدیلیوں میں اہم ترین تبدیلی عیسائی مقبوضات میں مسلم آبادیوں کا ظہور تھا۔ یہ آبادیاں تینوں مرکزی عیسائی سلطنتوں (قشتالیہ،

۱۳- Thomas F. Glick, *Islamic and Christian Spain in the Early Middle Ages*,37-39.

آراگون، اور نیارہ) کے مقبوضہ علاقوں میں وجود میں آئیں۔ ان آبادیوں کے حالات اور تاریخ کو جاننا انتہائی مشکل کام ہے کیونکہ یہ آبادیاں اپنی بقا کی خاطر اس حوالے سے محتاط تھیں کہ خطہ میں ان کی موجودگی حکام اور غیرمسلم رعایا کی توجہ کا مرکز نہ بن جائے ۔ ایسے معاشرے یا آبادی سے جو اپنے آپ کو گمنامی میں رکھنے کی پالیسی اپنائے ہوئے ہو، ایسی شہادتیں کم ہی ملتی ہیں جو اس کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے مددگار ہوں۔ دوسری جانب دار الاسلام کے افراد کا ان آبادیوں کے وجود کے بارے میں یہ عمومی موقف رہا کہ ان کے افراد کو فوری طور پر یہاں سے مسلم علاقہ کی جانب ہجرت کر جانا چاہئے، بالفاظ دیگر ان آبادیوں کا وجود عارضی نوعیت کا تھا (یا ہونا چاہئے تھا)۔ اس عمومی نقطہ نظر سے ان آبادیوں کے حالات و واقعات جاننے سے بے اعتنائی ایک منطقی نتیجہ تھی۔ دور جدید میں اگرچہ ان آبادیوں کے بارے میں چند تحقیقی کام علمی دنیا کے سامنے آئے ہیں جن میں ان آبادیوں کے متعلق چند حقائق و واقعات سے پردہ اٹھایا گیا ہے، تاہم ان کی تاریخ کا بیشتر حصہ گوشۂ گمنانی میں ہے۔[۱۴]

وہ مسلم آبادیاں جو عیسائی مفتوحہ علاقوں میں قائم ہوئیں ان کے باشندوں کو عرب اہل علم ''مدجنون مدجنین''، ''اہل دجن'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہسپانوی زبان میں ان کو Mudjar ''مدیہار/ مدیخار'' سے موسوم کیا جاتا ہے غالبًا یہ لفظ مدجن سے ہی ماخوذ ہے جیسا کہ اس تلفظ سے ظاہر ہے۔ بنیادی طور پر اس لفظ سے مراد پالتو یا سدھایا ہوا جانور لیا جاتا تھا اور اس سے ان مسلمانوں کو عار دلائی جاتی تھی جنہوں نے کفار کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کے بجائے ان ہی کا ماتحت بننے کو ترجیح دی ۔[۱۵]

اندلس میں اہل دجن کی آبادیاں گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں قائم ہوئیں اور سترہویں صدی کی ابتداء تک باقی رہیں۔ یہ آبادیاں جیسا کہ اوپر بیان ہوا، خطہ میں بڑھتی ہوئی عیسائی فتوحات کا نتیجہ تھیں۔ اگرچہ یہ فتوحات، جسے مقامی تاریخ دان Reconquista (جنگ بازیافت) سے موسوم کرتے ہیں، بزور شمشیر بھی حاصل ہوئیں، تاہم زیادہ تر یہ مقامی مسلمانوں کے بذریعہ معاہدہ ہتھیار ڈالنے (capitulation) کا

۱۴- دیکھئے: باب پنجم تا نہم L. P. Harvey, *Islamic Spain* 1250 to 1500

۱۵- دیکھئے Bernard Lewis, *Cultures in Conflict: Christians, Muslims, and Jews in the Age of Discovery* (New York: Oxford University Press, 1995) p. 45

نتیجہ تھیں۔[۱۶] یہ معاہدے اگرچہ مختلف علاقوں میں مختلف نوعیت کے تھے، تاہم عام طور پر ان کی رو سے مسلمانوں کو جو رعایتیں (حقوق) دی گئیں ان میں مقبوضہ علاقہ میں رہنے یا اسے چھوڑ کر دار الاسلام جانے کا اختیار بنیادی رعایت تھی، نیز معاہدہ کی رو سے اگر کوئی مسلمان اسی عیسائی مقبوضہ علاقہ میں رہنا چاہتا تو اس کو اسلامی تعلیمات پرعمل پیرا ہونے کی آزادی تھی، جس میں باجماعت نماز کی ادائیگی، اذان دینے کی اجازت، بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام نیز نکاح و طلاق میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے جیسے دیگر امور بھی شامل تھے۔ ان معاہدوں میں اس بات کی ضمانت بھی دی گئی کہ مسلمانوں کے جھگڑوں میں مسلمان قاضی ہی فیصلہ کریں گے، مسلمانوں کو تجارت اور کاروبار کرنے کی آزادی ہوگی اور شرعی ذبیحہ کے حصول کے لیے ذبح خانے برقرار رہیں گے۔

ان معاہدوں کی رو سے مسلمانوں پہ لازم تھا کہ وہ مقررہ مقدار میں خراج یا لگان ادا کریں گے اور عیسائی حکام کے خلاف برسرپیکار افراد (خطہ کے دیگر مسلمانوں) کی مدد نہیں کریں گے۔ مسلمانوں کو اپنی جائیدادیں وہاں کے عیسائی باشندوں کو فروخت کرنے پر پابندی تھی۔[۱۷]

اگرچہ ان معاہدوں میں عیسائی حکمرانوں نے مسلمانوں کو کئی مراعات دی تھیں، تاہم جلد ہی خطہ میں عیسائی قوت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی خلاف ورزی ہونے لگی۔ ان حالات میں مختلف مقامات پر مسلم آبادیوں نے عیسائی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی، مگر یہ بغاوتیں کامیاب نہ ہوسکیں۔ ہر آنے والے وقت میں ایک طرف تو اندلس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا تو دوسری طرف عیسائی علاقوں میں آباد مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہوتا جارہا تھا۔ ۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے بعد اندلس کے خطہ میں مسلم اقتدار

۱۶- ان معاہدوں کے متن و دستاویز جاننے کے سلسلے میں بنیادی کتاب یہ ہے:

Robert I. Burns SJ and Paul E. Chevedden, *Negotiating Cultures: Bilingual Surrender Treaties in Muslim-Crusador Spain*(Leiden: Brill, 1999).

نیز دیکھئے:

L. P. Harvey, *Islamic Spain* 1250 to 1500, 65, 72, 103-106, John Boswell, *The Royal Treasure: Muslim Communities under the Crown of Aragon in the Fourteenth Century*,Chapter 6

۱۷- دیکھیے: ایضاً

کا سورج ڈوب گیا اور اب یہاں کی مسلم آبادیاں مکمل طور پر عیسائی حکمرانوں کے رحم وکرم پہ تھیں۔ غرناطہ بھی بذریعہ معاہدہ فتح ہوا لیکن اس معاہدہ کا حال بھی دیگر معاہدوں کی طرح ہوا۔ ۱۴۹۸ء میں طلیطلہ کے اسقف اعظم فرانسسکو جیمینیز ڈی سسنیروز (Francisco Jimenez de Cisneros) کی سرکردگی میں اندلس میں موجود مسلمانوں کے بارے میں یہ سرکاری پالیسی بنائی گئی کہ مسلمان یا تو عیسائیت اختیار کر لیں یا پھر اس علاقہ کو چھوڑ دیں۔ ۱۴۹۹ء میں اس دباؤ کے نتیجہ میں مسلمانوں نے بغاوت کر دی جسے ۱۵۰۱ء میں کچل دیا گیا۔ ۱۵۰۲ء میں قشتالیہ (جس میں اب غرناطہ بھی شامل تھا) کے مسلمانوں کے سامنے تین راستے تھے: قبولِ عیسائیت، جلاوطنی، موت۔

آنے والوں سالوں میں نیارہ اور آرگون میں مقیم مسلم آبادیوں کو بھی ان تین راستوں میں سے ایک کو اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ جنہوں نے ہجرت کی ان کو اپنی جائیداد اور مال سے محروم ہونا پڑا، اور جو بظاہر عیسائی بن گئے وہ ہمیشہ کے لیے مشکوک اور متہم قرار پائے، ان کے لیے مورسکو Morisco کا لفظ استعمال کیا گیا۔ان کو عیسائی محاکمِ تفتیش Inquisition Tribunals سامنا کا کرنا پڑتا۔

مورسکو روز بروز معرض تہمت، ظالمانہ قوانین اور ٹیکسوں کے شکار ہوتے رہے۔۱۶۰۸ء/ ۱۶۰۹ء میں تمام مورسکو کو عیسائیت سے برگشتگی کے الزام میں قتل کرنے کی تجویز پر غور ہوا لیکن اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ ان کو حقیقی عیسائی بنانے کی ایک اور کوشش کی جائے گی۔ تاہم ۱۶۰۹ء میں یہ فیصلہ ہوا کہ علاقہ میں تمام مورسکو آبادی کو جلا وطن کر دیا جائے۔ جلا وطنی کی یہ کارروائی ۱۶۱۴ء میں مکمل ہوئی۔ جلا وطن افراد کی تعداد کتنی تھی؟ تاریخ اس سلسلہ میں خاموش ہے، تاہم ایک اندازے کے مطابق اس وقت ۳۲۰۰۰۰ مورسکوں کو جلا وطن کیا گیا۔(۱۸)

اہل دجن سے متعلق فقہی مباحث

اندلس میں عیسائی قبضہ کا آغاز مقامی مسلم آبادی کے لیے مختلف النوع مسائل اور چیلنجز سامنے لایا۔ جہاں یہ مسائل ان کی جان ومال کی حفاظت، معیشت، معاشرت اور سیاست سے متعلق تھے وہاں اُن مسائل کے بڑے حصہ کا تعلق ان کی دینی وفقہی (قانونی) صورت حال سے تھا۔

فقہی تناظر میں پیش آمد صورت حال دو امور کی وجہ سے پیچیدہ تھی۔ ایک تو اندلس کے علاقے جو زیادہ

۱۸- Bernard Lewis, *Cultures in Conflict*,p. 47-48.

تر بذریعہ معاہدہ فتح ہوئے تھے، ان میں عیسائی فاتحین نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ ان کو اپنی مذہبی عبادات کی ادائیگی اورتعلیمات پرعمل پیرا ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔ بالفاظ دیگر ان مسلمانوں کو معاہدے کی حد تک ایسے علاقہ میں شعائر اسلام کے اظہار کی آزادی تھی جہاں یہ کئی نسلوں سے آباد تھے ۔ دوسری وجہ جس سے صورت حال میں پیچیدگی پیدا ہوئی، اس قسم کے واقعے یا حادثے سے متعلق پہلے سے موجود فقہی نظائر کی کمی تھی۔[۱۹] اگرچہ اس سے پہلے فقہی مصادر، بالخصوص مالکی مذہب (جس کا اندلس میں رواج تھا)[۲۰] میں مسلمان کے کسی غیرمسلم علاقہ میں رہنے سے متعلق آراء موجود تھیں، لیکن یہ آراء ایسے افراد سے متعلق تھیں جو عددی اعتبار سے قلیل یا پھر وہاں عارضی طور پرمقیم ہوں جیسے نومسلم یا تاجر وغیرہ۔ پیش آمدہ صورت حال ان حالات سے مختلف تھی کیونکہ یہاں پرمسلمان کئی نسلوں سے آباد تھے اور ان کی آبادی کثیر تعداد میں تھی۔ اس صورت حال میں اندلس اور شمالی افریقہ کے فقہاء کا ردعمل اُن فتاویٰ کی شکل میں ہم تک پہنچا ہے جومختلف ادوار میں وقتاً فوقتاً لکھے گئے۔ ان میں سے بیشتر فتاوی بے توجہی کا شکار رہے۔ حال ہی میں یورپی محققین نے اس ذخیرے کی تاریخی اہمیت اور یورپ میں مسلمانوں کی حالیہ موجودگی کے تناظر میں اسے موضوع تحقیق بنایا ہے اور اس سلسلہ میں کئی مخطوط دریافت ہوئے اور زیور طباعت سے آراستہ ہوئے ہیں۔[۲۱]

۱۹- دیکھیے: ابن ربیع کا فتویٰ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اس فتویٰ میں انہوں نے صراحت سے اس امر واقع کا اعتراف کیا ہے۔

۲۰- دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) میں مالکی فقہ سپین میں متعارف ہوئی۔ اس سلسلہ میں امام زید بن عبد الحکم، یحیی بن یحییٰ اللیثی (آپ نے مؤطا امام مالک کو روایت کیا)، یحییٰ بن مضر اورعیسی بن دینار نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ان مالکی علماء کو اموی عہد میں ریاستی امور اور نظام عدل گستری چلانے کا موقع ملا اور اس طرح مالکی فقہ سرکاری مذہب بن گیا۔ پانچویں صدی ہجری میں یوسف بن تاشفین کے دور میں مالکی مذہب کو مزید عروج حاصل ہوا۔

۲۱- ان میں سے اہم یہ ہیں۔ احمد بن یحیی الونشریسی، **المعیَار المُعرَب والجامع المغرب عن فتاویٰ علماء إفریقیة والأندلس والمغرب** (بیروت، دار الغرب الإسلامی،۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء)، ڈاکٹرحسین مؤنس (تحقیق وتقدیم) "**أسنی المتاجر فی بیان أحکام من غلب علی وطنه النصاری ولم یهاجر، وما یترتب علیه من العقوبات والزواجر**"، **صحیفة معهد الدراسات الإسلامیة فی مدرید**، ج ۵،ص ۱-۲ (عدد خاص)، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء ،ص ۱۲۹-۱۹۱، ابو القاسم بن احمد البلوی التونسی المعروف بالبُرزُلی، **فتاوی البُرزُلی جامع مسائل الأحکام لما نزل من القضایا بالمفتین والحکّام**، محمد الحبیب الهیلة(تقدیم وتحقیق)، (بیروت :دار الغرب الاسلامی،۲۰۰۲ء) =

اگر چہ یہ فتاویٰ مختلف مسائل سے بحث کرتے ہیں، تاہم ایک مرکزی سوال جس کا تعلق بالواسطہ یا بلا واسطہ ہر فتویٰ میں بیان کردہ مسائل سے تھا، وہ دار الاسلام کی طرف ہجرت سے متعلق تھا۔ عمومی طور پر صورت مسئلہ اس طرح پیش کی گئی کہ وہ مسلم علاقہ جو عیسائی حکمرانوں کے ہاتھ فتح ہوگیا ہو، کیا وہاں کی مقامی مسلمان آبادی اپنے اس مقبوضہ علاقہ میں ٹھہرے یا پھر دار الاسلام کی جانب ہجرت کر جائے؟

آئندہ کی سطور میں اہل دجن اور ان کے فقہی مسائل سے متعلق اہل علم کی چند اہم آراء کا مطالعہ کیا جائے گا۔ چونکہ اس مطالعہ کا ایک اہم مقصد ان فقہی آراء سے آگاہی کے علاوہ اہل دجن کے مسائل سے متعلق فقہا کے رویوں اور رجحانات کا جاننا بھی ہے، اس لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہی آراء کو تاریخی ترتیب و تناظر میں پڑھا جائے۔

۱-قاضی ابو الولید ابن رشد (م ۵۲۰ھ/ ۱۱۲۶-۱۱۲۷ء) کی آراء

قرطبہ کے مشہور قاضی اور مالکی فقہ کے معروف امام ابو ولید محمد بن احمد ابن رشد قرطبی[۲۲] نے پانچویں /گیارہویں کے نصف آخر اور ابتدائی چھٹی/ بارہویں صدی کا زمانہ پایا۔ آپ کی تصنیفات مالکی مذہب کے بنیادی مصادر و مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان تصنیفات میں البیان والتحصیل، المقدمات الممہدات، فتاویٰ ابن رشد (جمع وتدوین: اُبوالحسن) مشہور ہیں۔

P. S. van Koningsveld, G. A. Wiegers, The Islamic Statute of the Mudejars in the Light of a New Source, *Al-Qantara*, XVII: 1 (1996), 19-58. ___, Islam in Spain during the Early Sixteenth Century: The Views of the Four Chief Judges in Cairo (Introduction, Translation, and Arabic Text), in Otto Zwartjes, Geert Jan van Gelder, and Ed de Moor (eds.), *Poetry, Politics and Polemics: Cultural Transfer between the Iberian Peninsula and North Africa*, (Amsterdam Atlanta, GA: Rodopi B.V., 1996) 133-150. Kathryn A. Miller, *Guardians of Islam: Religious Authority and Muslim Communities of Late Medieval Spain*, (New York: Columbia University Press, 2008)

۲۲- آپ مشہور فقیہ وفلسفی ابن رشد کے دادا تھے

الف۔ دار الکفر سے ہجرت کی فرضیت اور وہاں جانے کی ممانعت

قاضی ابن رشد کے نزدیک دار الکفر سے ہجرت کے فریضہ کی بجا آوری قیامت تک لازمی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جوشخص دار الکفر میں اسلام قبول کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ہجرت کر کے دار الاسلام چلا جائے جہاں اسلام کے احکام وقوانین نافذ ہیں۔ اسی اجماعی حکم پر قیاس کرتے ہوئے قاضی ابن رشد نے دار الاسلام کے کسی بھی باشندے کو تجارت یا دوسری غرض کے لیے دار الکفر جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''کسی کے لیے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ ان (کفار) کے علاقہ میں چلا جائے جہاں تجارتی ودیگر امور میں ان کے احکامات لاگو ہوتے ہوں۔''[۲۳] اپنے موقف کی تائید کے لیے آپ مالکی مذہب کے بانی امام مالک بن انس کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> ''امام مالک رحمہ اللہ نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ کوئی ایسے علاقہ میں رہائش پذیر ہو جہاں سلف کو گالیاں دی جاتی ہوں، تو یہ بات (ان کے ہاں) کیسے تصور کی جا سکتی ہے کہ ایسے علاقہ میں رہا جائے جہاں بتوں کو پوجا جاتا ہو اور رحمٰن (اللہ) کا انکار ہوتا ہو۔ یہ امر کوئی ضعیف الایمان مسلمان ہی گوارا کر سکتا ہے۔''[۲۴]

قاضی ابن رشد کے نزدیک مسلم حکمران پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سرحدی علاقہ میں چوکیاں قائم کرے جہاں پر موجود مسلح سپاہی مسلمانوں کو دار الحرب جانے سے روکیں۔[۲۵]

۲۳- فإذا وجب بالكتاب والسنة وإجماع الأمة على من أسلم ببلاد الحرب أن يهاجر ويلحق بدار المسلمين... فكيف يباح لأحد الدخول إلى بلادهم حيث تجرى عليه أحكامهم فى تجارة أو غيرها،ابو الولید محمد بن احمد ابن رشد القرطبی (تحقیق :سعید احمد اعراب)، المقدمات الممهدات لبيان ما اقتضته رسوم المدوّنة من الأحكام الشرعيّات والتحصيلات المحكمات لأمهات مسائلها المشكلات، دار الغرب الاسلامی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸م، ص۱۵۳

۲۴- ایضاً، وقد كره مالك رحمه الله أن يكون أحد ببلاد يسب فيها السلف، فكيف ببلاد يكفر فيها بالرحمن وتعبد فيها من دونه الأوثان، لا تستقر نفس أحد على هذا إلّا وهو مسلم شر مريض الإيمان.

۲۵- ایضاً، ص۱۵۴

ب۔ اہل اندلس اور فریضۂ حج و جہاد[۲۶]

بارہویں صدی میں اندلس میں عیسائی فتوحات کے زور پکڑنے کے تناظر میں مرابطین کے امیر علی بن یوسف نے قاضی ابن رشد کو یہ سوال ارسال کیا کہ کیا اہل اندلس میں سے جو شخص حج کر چکا ہے اور وہ شخص جس نے ابھی تک اسے ادا نہیں کیا ہے، آیا ان دونوں کے لیے حج کرنا افضل ہے یا جہاد؟

اس کے جواب میں قاضی ابن رشد نے یہ موقف اختیار کیا کہ اہل اندلس پر حج کا فریضہ ساقط ہوگیا ہے کیونکہ حج کرنے کی بنیادی شرط ''استطاعت'' ان کے حق میں معدوم ہو چکی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ ''استطاعت'' اس قدرت کا نام ہے جس کے ذریعہ جان و مال کے امن کے ساتھ وہاں (مکہ) پہنچا جا سکے اور ''یہ ہمارے (ان کے) زمانہ میں معدوم ہے اور جب اس علت (سبب) کی وجہ سے حج کی فرضیت ختم ہوئی تو یہ ایسا نفلی حج بن گیا جس کا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ ایسا کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جہاد، جس کے فضائل کا ذکر قرآن کریم، سنت متواترہ، اور آثار میں بیشمار ہے، حج کے فریضہ کی ادائیگی سے افضل ہے ۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس بارے میں سوال کرنے کی بھی حاجت نہیں۔'' [۲۷]

وہ شخص جو حج کا فریضہ ادا کر چکا ہے اور اب (دوسرا) حج کرنا چاہتا ہے اور راستہ بھی پر امن ہے، کیا اس کے حق میں حج افضل ہے یا جہاد؟ اس بارے میں بھی ابن رشد نے کہا کہ ایسے شخص کے حق میں جہاد کرنا افضل ہے۔ البتہ وہ شخص جس نے حج کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اس کے لیے سفر پُرامن ہے تو کیا اس کے لیے حج کرنا افضل ہے یا جہاد؟ اس مسئلہ کی تخریج اس اختلافی قاعدہ کی بنا پر ہے کہ حج کے فرض ہونے کے بعد کیا اس فریضہ کی ادائیگی فوراً کرنا ضروری ہے یا اس میں تاخیر کی گنجائش ہے ؟ لیکن اس افضلیت کا تعین اس صورت میں ہوگا جب جہاد فرض کفایہ ہو اور اس فرض کی ادائیگی کے لیے چند افراد مصروف ہوں، تاہم اگر جہاد فرض عین ہو تو اس صورت میں جہاد کرنا ہی افضل ہو گا اور اس میں اہل علم کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔[۲۸]

۲۶- ابو الولید محمد بن احمد بن احمد بن رشد، المختار بن الطاہر التلیلی (محقق)، فتاویٰ ابن رشد، (بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء)، ص ۱۰۲۱-۱۰۲۴

۲۷- ایضاً، ص ۱۰۲۳

۲۸- ایضاً ، ص ۱۰۲۱-۱۰۲۴

۲-امام مازری (م ۱۱۴۱ء) کے فتاویٰ

امام ابو عبداللہ محمد بن علی بن عمر بن محمد التیمی المازری کا تعلق صقلیہ (سسلی) (اٹلی) کے جنوبی ساحل مازرہ (Mazzara) سے تھا۔ یہی وہ علاقہ تھا جس کو قاضی اسد بن فرات نے ۲۱۲ھ/۸۲۷ء میں فتح کیا اور پھر اس علاقہ پر مسلمانوں کی ڈیڑھ صدی تک حکومت قائم رہی۔[۲۹] اگرچہ صِقلیہ جغرافیائی لحاظ سے اندلس سے الگ تھا تاہم یہاں اور اندلس کی فقہی روایات ایک ہی تھیں۔ امام مازری قیروان کی علمی وفقہی روایت کے امین تھے۔ آپ قیروان کے مشہور فقہاء علی بن محمد الربعی (ابو الحسن اللخمی (م ۴۷۸ھ) اور عبد الحمید بن محمد الصائغ (م :۴۸٦ھ) کے شاگرد تھے۔ آپ کے تلامذہ میں مفسر ابو بکر بن محمد ابن العربی اور ابن رشد بہت زیادہ مشہور ہیں۔ امام مازری نے کئی کتب تصنیف کیں جن میں مسلم شریف کی شرح المُعْلم بفوائد المسلم مشہور ہے۔[۳۰]

الف- صقلیہ (سسلی) کی جانب سفر

گیارہویں صدی میں جب نارمن سسلی پر قابض ہوئے تو وہاں آباد بہت سی مسلم آبادیاں ان کے زیرِنگیں ہوگئیں۔ اس صورت حال میں مقامی فقہاء کے سامنے کئی سوالات پیش ہوئے۔ جن میں سے ایک اہم سوال صقلیہ (سسلی) کی طرف سفر کرنے کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں تھا۔ امام مازری سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا سسلی کی طرف سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا "اگر وہاں جانے والے مسلمان پر اہل کفر کے قوانین لاگو ہوں تو سفر جائز نہیں۔"[۳۱] پھر انہوں نے بتایا کہ اس سے پہلے بھی سلطان نے علاقہ کے اہل فتویٰ کو جمع کیا اوراسی مسئلہ کے متعلق پوچھا توان اہل علم کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا۔ سبب یہ تھا کہ لوگ وہاں سے غذائی اجناس لے کر آتے تھے جن کی ان کو ضرورت تھی۔ امام مازری

۲۹- صقلیہ میں مسلم اقتدار کے عروج وزوال کے بارے میں ملاحظہ ہو، سید ریاست علی ندوی، **تاریخ صقلیہ**، ۲ جلدیں (اعظم گڑھ، مطبع معارف دار المصنّفین اعظم گڑھ، طبعہ اوّل :۱۳۵۴ھ/-۱۹۳٦ء، طبعہ ثانی :۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)

۳۰- حسن حسنی عبد الوہاب، **الإمام المازری**، (تونس، دار الکتب الشرقیۃ، ۱۹۵۵ء) ،ص ۴۹-۵۷

۳۱- **"إن كانت أحكام الكفر جارية على من يدخلها من المسلمين فالسفر إليها لا يجوز"...طاهر المعموری** (جمع و تدوین)، **فتاوی المازری**(تونس، الدار التونسية للنشر،۱۹۹۴ء،ص ۳٦۴

فرماتے ہیں ’’میں نے مفتیوں کی جماعت سے کہا کہ میرے خیال میں اگر وہاں (صقلیہ/سسلی) جانے والے پر رومیوں کا قانون لاگو ہوتا ہے تو وہاں جانا جائز نہ ہوگا اور اس سلسلہ میں یہ عذر کہ وہاں سے غذائی اجناس لانے کی ضرورت ہے، قابل اعتبار نہیں‘‘۔ اس موقف کی تائید کے لیے امام مازری نے اس آیت کریمہ کو دلیل بنایا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ مسجد حرام کی حرمت کو کفار کی بے حرمتی اور ان کی گندگی سے محفوظ رکھنا واجب ہے۔ اس سلسلہ میں (اس واجب کا ادا نہ کرنے میں) یہ عذر قبول نہیں کیا گیا کہ کفّار مکہ مکرمہ میں غذائی اجناس لے کر آتے تھے جس کی یہاں شدید ضرورت تھی۔ اگر اس آیت کی رو سے مسجد حرام کی حرمت کو غذائی اجناس کی متوقع قلت کی بنا پر پامال نہیں کیا جا سکتا تو ایسے ہی کسی مسلمان کی جان کی حرمت کو اسی بنا پر (غذائی اجناس کی قلت کو دور کرنے کے لیے) پامال نہیں کیا جاسکتا اور (جیسا کہ آیت مذکورہ کے آخری حصہ میں ہے) اللہ سبحانہ تعالی اگر چاہے تو اپنے فضل سے (ان حاجات سے) بے احتیاج بنا دے گا۔(۳۲)

امام مازری نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے جب یہی صورت مسئلہ اپنے شیخ عبد الحمید صائغ (م ۴۸۶ھ/ ۱۰۹۳ء) کو لکھ بھیجی تو انہوں نے بھی ان کے موقف کی تائید کی، تاہم انہوں نے سسلی کا سفر کرنے کی حرمت کی ایک اور وجہ بتائی اور کہا: اگر ہم ان (کفار کے علاقہ) کی طرف سفر کریں گے اور ہماری جانب سے ان کو زیادہ مال ملے گا تو وہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لیے زیادہ قوی ہو جائیں گے۔‘‘(۳۴)

۳۲- سورۃ التوبہ: ۲۸

۳۳- طاہر المعموری، فتاوی المازری، ۳۶۴ فنبه تعالى على أن حرمة المسجد الحرام يجب أن تصان عن ابتذال الكفار ونجاستهم، وأن هذه الحرمة لا يرخص في تركها للحاجة إليهم في حمل الطعام، وجلبه إلى مكة، وكذلک حرمة المسلم لا تنتهک بالحاجة إلى الطعام، فإن الله سبحانه يغنيه مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاء

۳۴- ایضاً، ص ۳۶۵۔ إنا إذا سافرنا إليهم صار لهم من قبلنا أموال عظيمة يتقوون بها على محاربة المسلمين

ب۔دار الحرب میں رہائش پذیر مسلمانوں کی اہلیت (امامت، قضاء اور گواہی وغیرہ کے لیے)

عمومی شرعی قاعدہ کی رو سے اگر دار الاسلام پر کفار قابض ہو جائیں تو وہاں کے مسلمانوں پر یہ واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر وہاں چلے جائیں جہاں پر اسلامی احکام نافذ ہیں۔ اگر وہاں کے مسلمان ہجرت کرنے سے پہلو تہی کریں تو وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوں گے جس کا لازمی اثر ان کے دینی، قانونی، اور اخلاقی کردار پر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ صورت حال میں چند اہم سوالوں میں سے ایک سوال ہجرت نہ کرنے والوں کی گواہی قبول کرنے اور ان کی امامت و قضاء کے شرعی طور پر معتبر ہونے کے سلسلہ میں تھا۔

جب امام مازری سے سسلی میں موجود قاضیوں کے فیصلوں اور گواہوں کی شہادتوں کی شرعی حیثیت سے متعلق یوں پوچھا گیا کہ آیا یہ قابل قبول ہیں یا نہیں؟ جب کہ ان طے شدہ فیصلوں اور شہادتوں کے نفاذ کی اشد ضرورت ہے، نیز سائلین نے یہ بھی کہا کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ لوگ (قاضی اور گواہ) اہل کفر کے زیر تسلط اپنے اختیار سے رہ رہے ہیں یا مجبوری سے؟ تو امام مازری نے کہا کہ یہاں پر دو باتیں قابل طعن ہیں۔ پہلی کا تعلق قاضی کے فیصلوں اور گواہوں کی شہادتوں کے معتبر ہونے سے ہے؛ کیونکہ دارالحرب میں اہل کفر کی قیادت میں قیام کرنا جائز نہیں۔ دوسری قابل طعن بات قاضی کی ولایت سے متعلق ہے اور طعن کی وجہ یہ ہے کہ ان قاضیوں کو کفار نے اس ولایت پر متعین کیا ہے۔

پہلے طعن پر آپ فرماتے ہیں کہ اس صورت یا اس جیسی دیگر صورتوں سے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر معاملہ کرنا چاہیے اور یہ تصور رکھنا چاہیے کہ وہ گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب کرتے ہیں۔ محض جھوٹے گمان اور کمزور وہم کے سبب اس قاعدہ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ مذکورہ امر کی نظیر پیش کرتے ہوئے امام مازری فرماتے ہیں کہ فقہاء اس شخص کی گواہی قابل قبول قرار دیتے ہیں جو ظاہری طور پر عادل ہے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ وہ (پوشیدہ طور پر فی الواقع) کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو۔ ہاں اگر اس گواہ کی عدالت کے خلاف کوئی شہادت آجائے تو اس صورت میں اس کی گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔ پھر اس قاعدہ کی تطبیق پیش کردہ صورت حال پر کرتے ہوئے امام مازری دار الحرب میں مقیم مسلمانوں کی تین اقسام بناتے ہیں ۔

پہلی قسم ان رہائش پذیر مسلمانوں کی ہے جو دار الحرب میں مجبوراً رہ رہے ہیں۔ ان کے بارے میں امام مازری کہتے ہیں کہ بلا شبہ ایسے شخص کی دار الحرب میں رہائش اس کے کردار پر قابل طعن نہیں ہے۔

دوسری قسم میں دار الحرب کے وہ مسلمان ہیں جو کسی صحیح تاویل (Valid Justification) پر عمل پیرا ہوتے ہوئے رہ رہے ہوں۔ جیسے کوئی مسلمان اس امید پر دارالحرب میں رہ رہا ہے کہ وہ اہل حرب کو گمراہیوں سے نکالنے کی سعی کرے گا۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مالکی فقہاء دارالحرب میں قیدیوں کو چھڑوانے کی غرض سے داخل ہونا جائز قرار دیتے ہیں۔ امام مازری کے بقول اس قسم میں دار الحرب کے وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو کسی بھی تاویل کے سبب وہاں قیام کیے ہوئے ہیں اور یہ تاویل کسی بھی طرح کی ہوسکتی ہیں جس کا شمار کرنا ممکن نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی تاویل کسی ایک عالم کے نزدیک غلط اور دوسرے کے نزدیک صحیح ہو۔

تیسری قسم دار الحرب کے ان مسلمانوں کی ہے جو کفر (جاہلیت) کے حکم پر رہتے ہوئے بغیر کسی تاویل کے اپنے اختیار سے وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ عمل ان کے کردار پر قابل طعن ہے۔

دوسرے طعن، جو کہ قاضیوں کے تقرر کے سلسلے میں ہے، کے بارے میں امام مازری کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کفار اگر لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے قاضی یا ناظم مقرر کریں تو یہ تقرر درست اور ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ مالکی علما تو اس تقرر کے عقلی طور پر واجب ہونے کے قائل ہیں، اگرچہ اصولاً کافر کی جانب سے مسلمان قاضی کا تقرر باطل ہے۔ امام مازری نے کہا کہ اگر کوئی قاضی وہاں کے عوام کی طلب پر یا وہ ان کے لیے کسی ضرورت سے ٹھہرے تو یہ بات اس کے فیصلوں اور پھر ان کے نفاذ کے لیے وجہ قدح نہیں ہے۔ اس کے فیصلے ایسے ہی قبول اور نافذ ہوں گے جیسے کسی مسلمان سلطان نے اس کو قاضی بنایا ہو۔[۳۵]

۳-فتویٰ ابن ربیع (م ۷۱۹ھ-۱۳۲۰ء)[۳۶]

مدجن آبادیوں کے وجود کی شرعی حیثیت اور ان پر فریضۂ ہجرت کی ادائیگی کے سلسلہ میں ایک طویل اور جامع فتوی امام ابن ربیع کا ہے ۔ مالکی فقیہ محمد بن یحیی بن عبدالرحمٰن بن احمد بن ربیع نے ساتویں اور

۳۵- ایضاً، ص ۳۶۵-۳۶۶

۳۶- راقم کو اس فتویٰ کا عربی متن دستیاب نہ ہوسکا، تاہم اس فتویٰ کے اہم حصوں کا انگریزی ترجمہ اور عربی متن کا نقلِ حرفی ترجمہ (Transliteration) اس مقالہ میں دستیاب ہے۔

Koningsveld and Wiegers, The Islamic Statute of the Mudejars in the Light of a New Source, 19-58.

ابتدائی آٹھویں صدی ہجری (تیرہویں اور چودہویں عیسوی) کا دور پایا ہے ۔ ابن حجر کے بقول آپ ۶۲۶ھ کو قرطبہ میں پیدا ہوئے اور مالقہ میں (Malaga) آباد ہوئے ۔ آپ کا شمار مالقہ کے محدثین اور فقہاء میں ہوتا تھا۔ آپ کی وفات ۱۷/ذیقعدہ ۷۱۹ھ/۱۳۲۰ء کو ہوئی۔(۳۷)

الف-فتوے کا پس منظر (اس میں درج سوالات)

مذکورہ فتویٰ کا ایک اہم حصہ اس کے سوالات ہیں جن میں عیسائی مقبوضہ علاقوں میں موجود مسلم آبادی کے سماجی، دینی اور سیاسی حالات کی جھلک ہے، نیز انہی علاقوں میں رہائش پذیر ایک اہل علم کی رائے کا بھی ذکر ہے جو جمہور فقہاء کے خلاف تھی۔ یہ فتویٰ دراصل اسی رائے کی تردید میں لکھا گیا۔ فتویٰ کے سوالات میں ان علاقوں میں رہائش پذیر مسلم آبادیوں کی شرعی حیثیت سے متعلق استفسار کیا گیا تھا جن کے علاقہ کو عیسائیوں نے فتح کیا تھا اور اس پر قابض تھے۔ یہ مسلم آبادیاں انہی نئے عیسائی حکمرانوں کی امان میں تھیں اور اس کے عوض جزیہ (خراج) اوراپنے اموال کی زکوٰۃ بھی انہیں ادا کر رہی تھیں۔مستفتی (جو ابن ربیع کے شاگرد بھی تھے) نے وہیں مقیم ایک مفتی کے فتویٰ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے عیسائی مقبوضہ علاقوں میں مسلم آبادی کے وجود کو جائز قرار دیتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ (ہجرت کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب کسی علاقہ میں اسلام کا وجود خطرہ میں پڑ جائے، چنانچہ) اسلام کی سب سے پہلی ہجرت تب وقوع پذیر ہوئی جب کہ اسلام کی اپنی بقا خطرے میں تھی۔ جب کہ مذکورہ صورت حال میں یہ خطرہ معدوم ہو چکا ہے اس لیے ان (عیسائی مقبوضہ) علاقوں میں رہنے والوں پرہجرت واجب نہیں۔ مزید برآں اسی موقف کی تائید دو احادیث سے ہوتی ہے۔ ایک: **من امن بالله ورسوله وأقام الصلاة وأعطى الزكوة وصام رمضان وحج البيت كان حقا على الله أن يدخله الجنة هاجر في سبيل الله أو جلس في الأرض التي ولد فيها**(۳۸)

۳۷- حافظ ابن حجر عسقلانی، الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة، (تحقیق) محمد عبد المعید ضان، (حیدر آباد، انڈیا، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ،۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء)، ج ۶،ص ۳۴

۳۸- صحیح البخاری، کتاب: باب :وكان عرشه على الماء ، تاہم اس میں "وأعطى الزكاة" "وحج البيت" کے الفاظ نہیں ہیں۔ حج اور زکوۃ کا ذکر ترمذی کی حضرت معاذ بن جبل سے روایت کردہ حدیث میں ہے ۔ اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں جو یہ ہیں عن معاذ بن جبل أن رسول اللّٰہ ﷺ **قال من صام رمضان وصلى الصلوات وحج البيت لا أدرى أذكر الزكاة أم لا إلا كان حقا على الله أن يغفر له إن هاجر في سبيل الله أو مكث بأرضه التي ولد بها......(سنن الترمذى صفة الجنة عن رسول الله، ما جاء في صفة درجات الجنة)**

(جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسولﷺ پر ایمان لایا، اس نے نماز ادا کی، زکوٰۃ دی، رمضان میں روزے رکھے اور حج کیا، اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا چاہے اس شخص نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا وہ اسی علاقے میں رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا)۔ دوم :**لا هجرة بعد الفتح**[۳۹] (فتح (مکہ) کے بعد اب کوئی ہجرت باقی نہیں رہی)۔ ان دلائل کے علاوہ ان مفتی صاحب نے اس بات سے خبردار کیا ہے کہ اگر ہجرت کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا جائے تو کئی علاقوں سے اسلام کا نام و نشان(کلمۃ اللہ) مٹ جائے گا۔

ان ممکنہ اعتراضات (کہ عیسائی مقبوضہ علاقے میں رہائش پذیر مسلمانوں پرعیسائیوں کے ہی قوانین و احکامات نافذ ہوتے ہیں، اور اس علاقہ میں مسلمانوں کے مال وجائیداد کو بھی خطرہ ہے، نیز وہ یہاں رہتے ہوئے باعزت زندگی بھی نہیں گزار سکتے) کا جواب دیتے ہوئے ان مفتی صاحب نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں نے بذریعہ معاہدہ اتنا امان حاصل کر لیا ہے جس سے وہ اپنے آپ کو ان ممکن الوقوع خطروں سے محفوظ سمجھ سکتے ہیں۔[۴۰]

اس تناظر میں مذکورہ فتویٰ دو بڑے حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ دارالحرب میں رہنے (اقامت) کے احکام سے متعلق ہے، جبکہ دوسرے حصے میں دار الحرب میں (پہلے سے) مقیم شخص کے احکام ہیں۔ دونوں حصے مزید دو ذیلی حصوں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔

پہلا مرکزی حصہ جو دار الحرب میں رہنے کے احکام سے متعلق ہے، اس کے پہلے ذیلی حصے میں دار الحرب میں رہنے کی قطعی حرمت کا بیان ہے جبکہ دوسرے ذیلی حصے میں ان اسباب کا بیان ہے جن کی وجہ سے دار الاسلام کی جانب ہجرت کو مؤخر کیا جا سکتا ہے۔

فتویٰ کے دوسرے مرکزی حصے جس میں دار الحرب میں (پہلے سے) مقیم شخص کے بارے میں احکام ہیں اس کے پہلے ذیلی حصہ میں دارالحرب کے رہائشی کی جان، اولاد اور مال سے متعلق دنیاوی احکام کا ذکر ہے جبکہ اس کے دوسرے ذیلی حصہ میں اسی رہائشی سے متعلق اخروی احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ آخر میں فتویٰ میں بیان کردہ احکام کی تطبیق عیسائی مقبوضہ علاقوں میں مقیم مسلمانوں پر کی گئی ہے۔فتویٰ کے اہم نکات

۳۹- **صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب:فضل الجهاد والسیر**

۴۰- Koningsveld and Wiegers, The Islamic Statute of the Mudejars in the Light of a New Source, 23, 24.

مندرجہ ذیل ہیں۔

ب-فتوے کے اہم نکات

۱- کفار کے علاقہ میں رہائش اور ان کے ساتھ موالات کی حرمت میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نیز وہ اس بات پربھی متفق ہیں کہ دار الحرب میں موجود رہائشی مسلمانوں پر دارالاسلام کی طرف ہجرت واجب ہے۔ ان کے اس موقف کی تائید کئی آیات و احادیث سے ہوتی ہے۔

۲- دار الحرب کا رہائشی مسلمان اسلام کے بنیادی پانچ ارکان پرصحیح طور پرعمل پیرانہیں ہوسکتا۔[۴۱]

۳- عیسائی علاقوں میں رہائش پذیر نہ صرف جہاد جیسے اہم اسلامی فریضہ کی ادائیگی سے غفلت برت رہے ہیں بلکہ وہ اپنے عیسائی حکمرانوں کو جانی ومالی فائدہ بھی پہنچا رہے ہیں اس لیے وہ شرعاً ان کفار کے ساتھ حربی بن گئے ہیں۔

۴- ایک اہم فریضہ، جس کی ادائیگی اورتکمیل دار الحرب میں ناممکن ہے، وہ کسی مسلمان کو اس علاقہ میں حاکم بنا کر اور اس کی وفاداری پر بیعت کرنا ہے۔ جب عیسائی مقبوضہ علاقے میں مسلمان حکمران کا تقرر ہونا ممکن نہیں تو وہاں کے جاری کردہ عدالتی احکامات پرعملدرآمد کروانا بھی ناممکن ٹھہرا۔ چنانچہ قصاص ودیت، نکاح، اور جائیداد سے متعلق عدالتی دستاویزات کی کوئی قانونی حیثیت نہیں رہی اگرچہ یہ دستاویزات کسی غیرمسلم یا اس کے مقرر کردہ مسلمان نمائندے ہی کی تحریر کردہ کیوں نہ ہوں۔

۵- کفار کے ساتھ رہتے ہوئے مسلمانوں کو اکثر ناخوشگوار مواقع سے واسطہ پڑتا ہے جن میں ان کی بے توقیری کی جاتی ہے اورمذاق اڑایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہاں مسلمانوں کو بدنی و مالی خطرات کا سامنا رہتا ہے، ان حالات میں ایسی جگہ رہنا شرعا مکروہ یا حرام ہے۔

۶- اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ عیسائی حکمران اپنے کیے ہوئے معاہدوں کی پاس داری کریں گے، بلکہ اس کے برعکس وہ مختلف علاقوں میں اپنے کیے ہوئے معاہدوں کو کئی بار توڑ چکے ہیں۔

۷- مسلم آبادی کا کفار کے ساتھ طویل عرصہ رہنا اس اندیشہ کو جنم دیتا ہے کہ وہ (مسلمان) اپنے رہن سہن کے طور طریقے، زبان اور عادات و اطوار کے سلسلہ میں کفار کی مشابہت وپیروی کرنے لگیں

۴۱- اس نقطے سے متعلق ابن ربیع نے تفصیلی وضاحت میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دار الحرب میں اسلام کی بنیادی عبادات صحیح اورمکمل طور پر ادانہیں ہوسکتیں۔ (ملاحظہ ہو، ایضاً، ص۲۵ تا ۲۷)

گے۔

۸- یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں پر ظالمانہ بھاری مالی ذمہ داریاں عائد کر دی جائیں، جبکہ دوسری جانب مسلمانوں میں اتنی سکت نہیں کہ وہ اس زیادتی کے خلاف ان سے مخاصمت کر سکیں؛ کیونکہ ان کو ڈر ہے کہ ایسا کرنے سے عیسائی حکمران ان سے نفرت کرنا شروع کر دیں گے اور اپنے کیے ہوئے معاہدے کو توڑ ڈالیں گے۔ نتیجتاً اُن کی اور ان کی اولاد کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ خطرہ صرف محض ایک خیالی اندیشہ نہیں، بلکہ واقعاتی حقائق پر قائم ہے چنانچہ کئی علاقوں، جن میں وہ علاقہ بھی شامل ہے جس میں رہائش سے متعلق سوال اور وہاں کے ایک مفتی کی رائے دی گئی ہے، میں ایسا ہی ہوا ہے۔ ان واقعات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان علاقوں میں رہائش رکھنا حرام ہے۔[۴۲]

۹- یہ خدشہ کہ وہاں سے ہجرت کرنے سے اس علاقے میں اسلام کا نام مٹ جائے گا، حقائق و واقعات کے خلاف ہے۔ یہ حقیقت ہر اس شخص پر منکشف ہوگی جو ان مقبوضہ علاقوں میں سفر کرے گا۔

۱۰- فریضۂ ہجرت کی ادائیگی سے صرف وہی لوگ مستثنیٰ ہیں جو کسی حقیقی (جسمانی) عارضہ کے سبب سفر کرنے سے قاصر ہوں، جیسے اپاہج، قیدی، بیمار، یا لاغر شخص۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو قرآن پاک میں مستضعفین[۴۳] کہا گیا ہے، نہ کہ وہ جو دار الحرب میں موجود اپنی جائیداد یا مال کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں سفر کرنے سے قاصر ہوں۔ نیز ان مستضعفین کا دارالحرب میں رہنا، شرعی طور پر حالت اضطراری میں رہنا تصور ہوگا۔

۱۱- پیش آمدہ صورت حال، جس میں مسلمان اس کافر حکمران کی حمایت پر بیعت کریں جس کے زیر اقتدار علاقہ میں وہ رہ رہیں ہوں، دیگر صورتوں سے نئی ہے، اس لیے قدیم فقہاء کی تحریروں میں اس سے نمٹنے کے لیے رہنمائی نہیں ملتی، البتہ اس کے برعکس صورت (یعنی مسلمانوں کے زیر اقتدار علاقے میں رہائش پذیر کافروں) کے بارے میں بہت سی تفصیلات موجود ہیں۔ ابن ربیع کے بقول پیش آمدہ صورت پانچویں صدی ہجری میں پیدا ہوئی جب اہل روم نے سسلی اور اندلس کے چند علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کے بارے میں شرعی احکام سے متعلق مغربی (مراکشی) علماء نے یہ موقف اختیار کیا کہ ان

۴۲- ایضاً، ص ۲۹

۴۳- سورۃ النساء : ۹۸-۷۵

سے ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا جیسا اس شخص سے جو دار الحرب میں مسلمان ہو مگر دار الاسلام کی جانب ہجرت نہ کرے۔

۱۲- دار الحرب میں رہائشی مسلمان کی گواہی شرعاً قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ابن ربیع نے ان رہائشوں کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

(ا) وہ مسلمان جن کو دار الحرب میں رہنے کی حرمت معلوم ہے اور وہ ہجرت کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس فریضہ کی ادائیگی سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ ان کی گواہیاں قبول نہیں ہوں گی۔

(ب) وہ مسلمان جو دار الحرب میں رہنے کی حرمت سے آگاہ ہیں، مگر وہ یہاں سے ہجرت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان کی گواہی کو قبول کرنے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

(ج) وہ مسلمان جن کو دار الحرب میں رہنے کی حرمت کا علم نہیں ہے، یا وہ کسی فاسد تاویل کی بنا پر دار الحرب رہنا جائز سمجھتے ہیں، ایسے افراد کی گواہی امام مالک اور امام باقلانی کے نزدیک بوجہ فسق قابل قبول نہیں۔

ابن ربیع کے بقول تیسری قسم کے افراد کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ لوگ دو طرح کے ہیں: عوام اور وہ لوگ جو اپنا تعلق تفقہ (اجتہاد) سے ظاہر کرتے ہیں (یعنی اپنے آپ کو مجتہدین میں شمار کرتے ہیں جن کا اجتہادی مسائل میں خطا پر ہونا شرعی عذر شمار کیا جاتا ہے)۔ ابن ربیع کے نزدیک ان دونوں طبقوں کی شہادتیں قابل قبول نہیں، اس لیے کہ آخر الذکر طبقہ کے افراد دار الحرب میں اقامت کے جواز پر رائے قائم کرنے میں صحیح نہیں سمجھے جا سکتے؛ کیونکہ اس مسئلہ پر حرمت کے دلائل وافر مقدار میں موجود ہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو یہ عذر کہ وہ دار الحرب میں رہنے کی حرمت سے آگاہ نہیں ہیں، ان کے حق میں بھی قابل قبول نہیں؛ کیونکہ یہ لوگ کثرت سے مسلمانوں کے علاقوں میں آتے جاتے رہتے ہیں اور ان کے پاس یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی اہل علم سے دار الحرب میں رہائش اور کسی غیر مسلم سے موالات کے احکام پوچھ سکیں۔ ابن ربیع نے مزید کہا کہ یہ مسئلہ یہاں (دار الاسلام میں) کثرت سے بیان کیا جاتا ہے اور اس کو پوچھنے والے بھی وہی لوگ ہوتے ہیں جو عارضی طور پر یہاں آئے ہوتے ہیں اور یقیناً واپس جا کر وہ یہ مسئلہ وہاں کے مقیم دوسرے مسلمانوں کو بیان کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا امور کی بنا پر ابن ربیع یہ موقف قائم کرتے ہیں کہ عیسائی مقبوضہ علاقے میں رہائش پذیر

مسلمانوں کی جان ومال اور اولاد پر وہی شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں جو کسی دار الحرب کے رہائشی مسلمان کے ہیں۔

۱۳- اخروی اعتبار سے دار الحرب میں رہائش پذیر مسلمانوں کے احکام کے سلسلہ میں ابن ربیع ان کی بھی تین اقسام بیان کرتے ہیں۔ پہلی قسم ان مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں کم ہے اور وہ ان کے درمیان بکھرے ہوئے رہ رہے ہیں۔ دوسری قسم بھی ایسے مسلمانوں پر مشتمل ہے جو دشمن کے مقابلے میں عددی اعتبار سے کم ہیں، تاہم وہ ان کے ساتھ رہنے کے بجائے الگ آبادیوں میں رہ رہے ہیں۔ جبکہ تیسری قسم کے مسلمان عدد کے لحاظ سے قابض دشمن سے زیادہ ہیں۔

دار الحرب سے فریضۂ ہجرت کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنے کے حوالے سے پہلی قسم کے مسلمان زیادہ گناہگار ہو رہے ہیں جبکہ آخری قسم کے مسلمان سب سے کم۔ تاہم عیسائیوں کے ساتھ موالات و رہائش، فریضۂ ہجرت کی ادائیگی سے پہلو تہی، مشرکوں پر اعتماد، ان کو زکوٰۃ کی ادائیگی، اسلام کے وقار کو ضائع کرنے، اور شرعی حاکم کی اطاعت سے گریز رہنے کرنے کے سبب گناہ کے ارتکاب میں سب برابر ہیں۔

جہاں تک ہجرت کرنے کے فریضہ کی ادئیگی کا تعلق ہے تو تیسری قسم کے مسلمان رہائشی اس سے مستثنیٰ نہیں مزید برآں ان کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا زیادہ آسان ہے۔ اس اعتبار سے ان کا ہجرت نہ کرنا زیادہ گناہ کے ارتکاب کا موجب ہے۔[۴۴]

۴-مصری قاضیوں کا فتویٰ[۴۵]

سولہویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں (۱۵۰۸ء تا ۱۵۱۳ء کے درمیان) میں مصر کے چاروں قاضی

۴۴- Koningsveld and Wiegers, The Islamic Statute of the Mudejars in the Light of a New Source, 33-35.

۴۵- اس فتویٰ کا تعارف، متن اور انگریزی ترجمہ ملاحظہ ہو:

Koningsveld and Wiegers, Islam in Spain during the Early Sixteenth Century 133-150. ___, The Islamic Statute of the Mudejars in the Light of a New Source, *Al-Qantara*, XVII: 1 (1996), 19-58.

القضاۃ[۴۶] نے اہل دجن کی آبادی کے مسائل کے بارے ایک مشترکہ فتویٰ دیا۔ یہ فتویٰ اہل دجن کے بارے میں فقہی آراء اور رجحانات کو جاننے کے سلسلہ میں مختلف پہلوؤں سے انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس فتویٰ میں مالکی فقہ کے علاوہ دیگر فقہی مذاہب (حنفی، شافعی، اور حنبلی) کے اہل علم کی آراء موجود ہیں ۔ دوسری نمایاں خوبی اس فتویٰ کی یہ ہے کہ اس میں آراء مقامی فقہاء کی نہیں بلکہ ایسے اہل فقہ کی ہیں جن کا تعلق دار الاسلام کے اہم مرکز مصر سے تھا۔

الف- پسِ منظر

فتویٰ کا زمانہ وہ ہے جب اندلس مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا اورسمندر پار کر کے دار الاسلام جانے کے علاوہ کوئی علاقہ ایسا نہ تھا جہاں مسلمان ہجرت کر کے جا سکیں ۔فتویٰ کے سوالات سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عیسائی حکمرانوں نے اپنی مسلم رعایا پر یہ پابندی عائد کر دی تھی کہ وہ وہاں سے دار الاسلام کوچ کر جائیں۔ اگرچہ اندلس کے مختلف علاقوں پر قبضہ کے وقت تقریباً ہر معاہدے میں مسلمانوں کو یہ رعایت دی گئی تھی کہ وہ مقبوضہ علاقے میں اپنی خواہش کے مطابق رہ سکتے ہیں یا اس کو چھوڑ سکتے ہیں، لیکن معاہدے کی دیگر شقوں کی طرح اس شق پر بھی عمل نہیں ہوسکا۔ تاہم کچھ علاقوں میں عیسائی حکمرانوں نے ان مسلمانوں کے لیے حج کے سفر کی اجازت دے رکھی تھی۔ وہ اس سفر کے لیے بھاری رقم کے عوض ان سے اجازت نامہ حاصل کرتے تھے، نیز ان حکمرانوں کو یہ ضمانت بھی فراہم کرتے تھے کہ وہ فریضۂ حج کی

۴۶- مصر میں قضاء کے اعلی ترین منصب ''قاضی القضاۃ'' پر بیک وقت چار قاضیوں (جن کا تعلق مشہور چار سنی فقہی مذاہب سے تھا) کا تقرر بحری مملوک کے دور میں ہوا۔ اس حقیقت کی اپنی دلچسپ تاریخ ہے جس کے بیان کا یہاں نہ موقع ہے اور نہ ہی گنجائش ۔ اس سلسلے میں تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

Sherman A. Jackson, *Islamic Law and the State: The Constitutional Jurisprudence of Shihab al-Din al-Qaraf, (Leiden: Brill, 1996)*

Kristen Stilt, *Islamic Law in Action: Authority, Discretion, and Everyday Experiences in Mamluk Egypt,*(Oxford: Oxford University Press, 2011), Vol 5, P.34

Joseph H. Escovitz, *The Office of Qadi al-Qudat in Cairo under the Bahri Mamluks* (Berlin: Klaus Schwarz Verlag, 1984)

ادائیگی کے بعد واپس آجائیں گے۔

عیسائی حکمران مسلم آبادی کو اپنے پاس کیوں روکنا چاہتے تھے؟ اس کی دیگر وجوہات میں سے اہم وجہ یہ اندیشہ تھا کہ اتنے بڑے پیمانے پر آبادی کا انخلا معاشی بدحالی پر منتج ہوگا۔ چند علاقوں جیسے بلنسیہ وغیرہ میں کاروباری سرگرمیاں مسلم آبادی کے رہین منت تھیں، مزید یہ کہ مسلم آبادی عیسائی حکمرانوں کو اپنی جانوں اور جائیداد کے عوض بھاری خراج بھی ادا کرتی تھی۔

ب- فتوے کے سوالات

فتویٰ کے سوالات یہ تھے:

۱- عیسائی علاقوں میں آباد اہل دجن اگر دار الاسلام کی طرف ہجرت کرتے ہیں تو علاقہ کے غیر مسلم حکام ان کو ایسا کرنے سے روکتے ہیں، اور اگر وہ کسی مسلمان کو ہجرت کرتا ہوا پکڑ لیں تو اس کو قید میں ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس کا مال وجائیداد ضبط کر لیتے ہیں۔ کیا ان حالات میں کوئی مسلمان فریضۂ ہجرت کی ادائیگی کی خاطر ان خطرات کو مول لے یا پھر اس کو اجازت ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی کو اس وقت تک مؤخر کر دے جب تک اس کی زندگی اور مال کے لیے خطرہ معدوم ہو جائے؟ اس شخص کے بارے میں ہجرت کا کیا حکم ہے جس کو اگرچہ زندگی کا تو نہیں مگر مال ضبط ہونے کا خطرہ ہو؟ (اگر اس پر ہجرت فرض ہے تو) کیا اس کو ہجرت کی خاطر سارا مال خرچ کرنا لازمی ہوگا یا مال کا کچھ حصہ اور یہ حصہ کتنا ہوگا؟

۲- عیسائی علاقے میں رہائش پذیر مسلمانوں میں سے جس پر حج فرض ہو جائے اور وہ یہ قدرت بھی رکھتا ہو کہ وہاں کے چند مسلمان اس علاقہ کے حکام کو اس بات کی ضمانت دیں کہ وہ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آجائے گا تو کیا یہ شخص حج کرنے کے بعد واپس آجائے یا پھر دار الاسلام رکا رہے؟ تاہم، آخری صورت میں وہ اپنے ضامن کی جان و مال کو خطرے میں ڈال دے گا۔

۳- ان علماء کی رہائش کی شرعی حیثیت کیا ہے جو ہجرت کرنے کی استطاعت کے باوجود کسی دینی مصلحت کی وجہ سے عیسائی علاقوں میں قیام پذیر تھے؟ کیا ان علماء کو وہاں رہنا اس سبب سے جائز ہے کہ وہ وہاں کی مقامی مسلمان آبادی کو دین اسلام پر ثابت قدم رکھنے اور ان کے عقائد کی حفاظت میں مدد دیں گے؟ ساتھ ساتھ یہ خطرہ بھی ہے کہ ان علماء کے یہاں سے چلے جانے سے

مقامی آبادی (دینی عقائد واحکام سے) جاہل ہو جائے گی۔ کیا اس صورت حال میں ان اہل علم کا یہاں رہنا ان کی اپنی شخصیت کے لیے قابل طعن فعل ہو گا، جبکہ ان کا رہنا دینی اور مقامی آبادی کی مصلحت کے پیش نظر ہے؟

۴- ایک شخص دارالاسلام کی جانب اکیلا ہجرت کر چکا ہے، تاہم وہ اپنے بچوں کے بارے میں پریشان ہے جنہیں وہ دارالکفر جس چھوڑ آیا ہے؛ کیا وہ انہیں بچانے کے لیے دارالکفر واپس جاسکتا ہے (جیسے دار الحرب میں قیدی کو چھڑانے کے لیے جانے کی اجازت ہے) یا نہیں؟

۵- کیا قرآن پاک کا ترجمہ کسی عجمی (غیر عربی) زبان میں ان لوگوں کے لیے کیا جاسکتا ہے جو عربی سے ناوقف ہیں، تاکہ وہ قرآن کے معانی سمجھ سکیں؟ اگر ایسا کرنا جائز نہیں تو پھر کیا یہ شرعا حرام ہے یا ناجائز ہے؟ کیا کسی خطیب کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے غیر عربی سامعین کے لیے خطبۂ جمعہ عربی میں دینے کے بعد اس کا ترجمہ مقامی زبان میں بیان کرے؟ اور آیا یہ ترجمہ ہر عربی جملہ کے بعد ہو یا (دوسری صورت میں) پہلے وہ عربی خطبہ مکمل کرنے کے بعد اس کا ترجمہ بیان کرے؟ کیا یہ ترجمہ بھی منبر پر بیان کیا جائے یا بغیر منبر کے؟[۴۷]

ج-فتوے کے اہم نکات کا مطالعہ

جہاں تک پہلے سوال یعنی مقامی مسلمان کی دار الحرب سے دار الاسلام کی جانب ہجرت کا مسئلہ تھا، تو حنفی، مالکی اور شافعی قاضیوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ان حالات میں جن کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے، ہجرت کو مؤخر کیا جاسکتا ہے۔ مالکی قاضی نے یہاں تک کہا کہ ایسے شخص کو ہجرت کرنے سے روکا جائے تاکہ وہ خود ہی اپنے مال کو ضبط اور اپنے آپ کو قید کروانے کا سبب نہ بنے۔[۴۸] حنبلی قاضی نے متعین جواب دینے کے بجائے عیسائی علاقوں میں موجود مسلمانوں کی تین اقسام بنائی ہیں۔ پہلی قسم ان مسلمانوں پر مشتمل ہے جو ہجرت کے سفر کی استطاعت رکھتے ہیں اور اپنے علاقوں میں رہتے ہوئے اسلامی شعائر کی حفاظت اور اس کے احکام کی آزادی کے ساتھ بجا آوری نہیں کر سکتے، حنبلی قاضی کے نزدیک ان لوگوں پر

۴۷- Koningsveld and Wiegers, *Islam in Spain during the Early Sixteenth Century* 147-48.

۴۸- ایضاً، ص ۱۴۸۔ مالکی قاضی فرماتے ہیں: ’’بل یطلب منه التخلف لئلا یلقی نفسه إلی إتلاف ماله وأسره، وذلک لا یجوز.‘‘

ہجرت فرض ہے۔ دوسری قسم ان مسلمانوں کی ہے جو کسی شرعی عذر کی بنا پر ہجرت کی استطاعت نہیں رکھتے مثلاً وہ معذور یا بیمار ہیں یا انہیں ہجرت کرنے سے روکا جاتا ہے۔ ایسے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض نہیں۔ آخری قسم ان لوگوں کی ہے جو مقامی علاقوں میں رہتے ہوئے اسلامی احکام پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہو سکتے ہیں ۔ ان لوگوں پر اس بنا پر ہجرت کرنا مندوب ہے کیونکہ یہ لوگ دار الاسلام جا کر مسلمانوں کی قوت اور جہاد کرنے کی صلاحیت کو بڑھانے میں معاون ومدد ہوسکتے ہیں۔[۴۹]

ہجرت کے لیے سارا مال یا اس کا متعین حصہ خرچ کرنے کے بارے میں تمام قاضیوں کا اتفاق تھا کہ فریضۂ ہجرت کی ادائیگی کے لیے تمام مال خرچ کرنا ضروری نہیں، البتہ مال کے اس حصے کی مقدار، جو اس فریضے کی ادائیگی پر خرچ کی جانی چاہئے، کو متعین کرتے ہوئے مالکی قاضی نے کہا کہ یہ مقدار ایک تہائی ہے کیونکہ وہ اتنی ہی مقدار میں صدقہ، نذر اور دیگر مالی نفلی عبادات (تبرعات) کی جاسکتی ہیں ۔ حنبلی قاضی کا موقف تھا کہ مطلوبہ مقدار کا تعین عرف پر منحصر ہے۔ حنفی قاضی کے نزدیک اگرچہ ہجرت کے لیے تمام مال خرچ کرنا لازم نہیں، تاہم انہوں نے اس سلسلے میں مطلوبہ مقدار کا تعین نہیں کیا۔

دوسرا موضوع جو فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد واپس دار الحرب جانے سے متعلق تھا۔ اس پر تمام قاضیوں نے اتفاق کیا کہ مذکورہ حالات کے تناظر میں دارالحرب سے ضمانت پر آئے ہوئے شخص کو حج کی ادائیگی کے بعد اپنے علاقے میں لوٹ جانا چاہئے۔ مالکی قاضی کا اصرار تھا کہ ایسے شخص کو ضرور واپس آنا چاہیے تاکہ وہ اپنے ضامنوں کی جان ومال کو نقصان پہنچانے کا سبب نہ بنے۔ حنبلی قاضی گو کہ دیگر اہل علم کے ساتھ اس بات پر متفق تھے کہ حاجی کو اپنے وطن لوٹنا چاہیے، تاہم وہ خواتین کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ حنفی قاضی نے مزید یہ بھی واضح کیا کہ سفر حج کے لیے غیر مسلم حاکم کو لوٹ آنے کی ضمانت کی فراہمی ایسے اعذار میں نہیں جو فریضۂ حج کی ادائیگی کو مؤخر کرسکتے ہیں ۔

دار الحرب سے علماء کی ہجرت سے متعلق مسئلہ پر عمومی طور پر مذکورہ قاضیوں کا اتفاق تھا کہ علماء دار الحرب میں رہ سکتے ہیں، تاہم تفصیلی طور پر ان کی رائے میں معمولی سا اختلاف ہے۔ مالکی وشافعی قاضیوں کا کہنا تھا کہ ایسے حالات، جن میں علماء کے علاقہ کو چھوڑ جانے کے نتیجے میں اسلام کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، میں علماء کو وہاں رکنا فرض ہے۔ حنفی قاضی نے علماء کے ٹھہرنے کو فرض عین قرار دیا ہے۔ حنبلی قاضی نے یہ

۴۹- ایضاً، ص:۱۴۹

موقف اختیار کیا کہ جو مسلمان دار الحرب میں رہتے ہوئے اسلام کے شعائر کی حفاظت اور احکام پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہو سکتا ہو، وہ دار الحرب میں ٹھہر سکتا ہے۔

چوتھا موضوع اس شخص کے بارے میں تھا جس نے تنہا ہجرت کی، لیکن اب وہ اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی اولاد کو بچانے کے لیے واپس دار الحرب جانا چاہتا تھا۔ اس پر حنفی، مالکی اور شافعی قاضیوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ایسا شخص اپنی اولاد کو بچانے کی خاطر دار الحرب جا سکتا ہے۔ مالکی قاضی نے تو اس جواز کے لیے حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث کفی بالمرء إثما أن یضیع من (یقوت)[٥٠] (آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ جن کی پرورش کا ذمہ دار ہے، انہیں ضائع کردے) سے بھی استدلال کیا ہے۔ حنبلی قاضی نے یہ جواز اس امر سے مشروط کیا ہے کہ دار الحرب میں مذکورہ شخص کی جان کو خطرہ نہ ہو۔

آخری موضوع کے پہلے سوال کو جو قرآن پاک کے ترجمہ سے متعلق تھا، چاروں قاضیوں نے مختلف انداز میں سمجھا، چنانچہ ان کے جوابات بھی مسئلے کے مختلف پہلوؤں سے سامنے آئے۔ مالکی، شافعی اور حنبلی قاضیوں نے کہا کہ قرآن پاک کی تلاوت غیر عربی زبان میں جائز نہیں۔ شافعی قاضی نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ ایسا کرنے سے لوگ قرآن کی اعجازی صفت سے ناآشنا ہو جائیں گے۔ مالکی قاضی نے صرف طالب علموں کو ایسا کرنے کی اجازت دی ہے۔ حنفی قاضی کا موقف تھا کہ قرآن کریم کو سمجھنے کی خاطر اس کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا جائز ہے، بلکہ ایسا کرنا مکروہ بھی نہیں۔

خطبۂ جمعہ کی عربی زبان میں ادائیگی کے مسئلے پر مالکی قاضی نے کہا کہ چونکہ یہ خطبہ دو رکعتوں کے مساوی ہوتا ہے، اس لیے خطبے کو غیر عربی زبان میں ادا کرنا جائز نہیں۔ نیز خطبے کا ترجمہ (خواہ وہ لفظاً لفظاً ہو یا مجموعی طور پر) کرنے کا عمل بھی خلافِ سنت ہے۔ حنبلی قاضی نے بھی خطبے کو غیر عربی زبان میں ادا کرنے کو ناجائز قرار دیا، تاہم ان کے نزدیک آخر میں اس کا ترجمہ بیان کیا جا سکتا ہے مگر اس میں بھی خطبہ میں تلاوت کی گئی آیات کا ترجمہ کرنا جائز نہیں۔

شافعی قاضی کا کہنا تھا کہ اگر جماعت میں ایک آدمی بھی عربی میں خطبہ دے سکتا ہو تو اس صورت میں

٥٠- ایضاً، ص: ١۴٨، فتویٰ میں یقوت کے بجائے یمون لکھا ہے، غالباً یہ املائی غلطی ہے کیونکہ راقم کو یمون کا لفظ کسی حدیث کے متن میں نہیں ملا اکثر کتب حدیث میں ''یقوت'' کا لفظ آیا ہے (سنن أبی داؤد، کتاب الزکاة، باب کفی بالمرء إثما أن یضیع من یقوت، مسند أحمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابة) البتہ، چند روایات میں ''یعول'' بھی آیا ہے۔

غیر عربی زبان میں خطبہ جائز نہیں۔ ہاں اگر جماعت میں کوئی بھی شخص عربی زبان میں خطبہ کی ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں خطبہ مقامی زبان میں دیا جاسکتا ہے، البتہ اس صورت میں یہ فرض کفائی ہوگا کہ ان میں سے کوئی عربی سیکھ لے، ورنہ مناسب مدت گزر جانے کے بعد سب گناہگار ہوں گے اور جمعہ کی جماعت کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی۔ حنفی عالم نے کہا کہ فتویٰ کے سوال میں مذکور حالات میں غیر عربی زبان میں خطبہ دینا جائز ہے۔[۵۱]

۵-ابن حفّار(م ۸۱۱ھ/۱۴۰۸ء) کا فتویٰ

الف-پس منظر

محمد بن علی الانصاری الحفّار[۵۲](ابن حفّار) نویں صدی ہجری (پندرہویں صدی عیسوی) کے ابتدائی سالوں میں اندلس کی واحد باقی رہنے والی چھوٹی سی مسلم ریاست غرناطہ کے مفتی تھے۔ آپ کے چند فتاویٰ کو ونشریسی نے اپنی کتاب المعیار میں نقل کیا ہے۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اہل دجن کے بارے میں آپ نے متعدد فتاویٰ تحریر کیے جن میں کچھ مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں، تاہم بدقسمتی سے یہ زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکے۔ یہ بات بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اہل دجن خاص طور پر آرگون میں سے کچھ افراد دینی و شرعی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے عیسائی حکمرانوں کی اجازت سے آپ کے پاس آیا کرتے تھے[۵۳] اور آپ کے فتاویٰ کی نقلیں اور مقامی زبانوں میں ان کے تراجم اہل دجن میں تقسیم کیے جاتے تھے۔[۵۴] اہل دجن سے متعلق آپ کے فتاویٰ میں سے ایک فتویٰ جو راقم کو تادم تحریر دستیاب

۵۱- دیکھئے: Koningsveld and Wiegers, Islam in Spain during the Early Sixteenth Century, 147-150

۵۲- دیکھئے: محمد بن محمد مخلوف، شجرة النور الزكية فی طبقات المالكية، (قاہرہ، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتہا، ۱۳۴۹ھ)، ج ۱، ص ۲۴۷

۵۳- دیکھئے:

Kathryn A. Miller, "Muslim Minorities and the Obligation to Emigrate to Islamic Territory: Two Fatws from Fifteenth-Century Granada", *Islamic Law and Society*, 7:2 (2000), 270

۵۴- ایضاً

ہوسکا[۵۵] وہ اہل دجن میں سے اس جوڑے کے متعلق تھا جس کا ایک فرد دار الاسلام ہجرت کرنا چاہتا تھا جب کہ دوسرا اپنے ہی علاقے میں رکا رہنا چاہتا تھا۔ اس پس منظر میں یہ سوالات ابن حفار کو فتویٰ کے لیے بھیجے گئے۔

(ب) فتوے کے سوالات

مدجن جو عیسائیوں کے ساتھ ان ہی کے علاقے میں رہ رہے ہیں، کیا ان پر ہجرت واجب ہے؟ اگر میاں بیوی میں سے ایک ہجرت کرنا چاہے اور دوسرا ایسا کرنے سے انکار کر دے تو کیا اس چاہنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسرے کو چھوڑ کر ہجرت کر جائے؟ اگر میاں کے ذمے اس کی بیوی کے حق مہر میں سے کچھ ادا کرنا باقی ہو اور بیوی ہجرت کرنے پر راضی نہ ہو تو کیا شوہر اس کو یہ حق ادا کیے بغیر ہجرت کرسکتا ہے یا اس کے لیے ہجرت اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ اس حق کو ادا نہ کردے؟ اور اگر بیوی ہجرت کرنا چاہے اور اس کا شوہر ایسا کرنے سے انکار کردے تو کیا وہ اس سے اپنا حق لے سکتی ہے یا نہیں؟[۵۶]

(ج) ابن حفّار کا جواب

ان سوالات کا جواب ابن حفّار نے نہایت اختصار کے ساتھ دیا۔ ان کا فتویٰ دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں ابن حفار نے ہجرت کے وجوب کو انتہائی واضح اور دوٹوک انداز سے بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں فتویٰ کا آغاز رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے کہ ''میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہو۔'' اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ابن حفار کہتے ہیں: ''پس ایسا مسلمان جو اس علاقے (عیسائی مقبوضہ) سے نکلنے کی قدرت و استطاعت رکھتا ہو، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ وہاں ٹھہرا رہے۔'' اس موقف کی تائید میں دیگر دلائل دیتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں: ''یہ اس لیے کہ وہاں پر رہنے والوں پر کفار کے احکام و قوانین نافذ ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس مسلمان کو ہمہ وقت

۵۵- ایضاً، اس کا انگریزی میں ترجمہ، متن اور مخطوط کی تصویر صفحہ ۲۷۸ تا ۲۸۳ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ مخطوط مڈریڈ میں واقع سپین کی قومی لائبریری (Biblioteca Nacional de Espana) Ms. 5324 (fols 47v-48v) میں موجود ہے۔

۵۶- ایضاً، ۲۸۰

ایسے ماحول میں رہنا پڑتا ہے جس میں اللہ تعالی کو جھٹلایا جاتا ہے، جبکہ ان رہائش پذیر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت واستطاعت نہیں کہ وہ اس (منکر) کے ارتکاب کو روک سکیں۔ اگر (عام حالات) میں مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ایسے شخص کے ساتھ بیٹھے جو کسی گناہ معصیت کے کام جیسے شراب نوشی، زنا کاری یا کسی اور گناہ میں مشغول ہو، تو پھر اس مسلمان کے لیے ان لوگوں کے ساتھ رہنا کیسے جائز ہوگا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلاتے ہوں؟ پس ان مسلمانوں پر ہجرت واجب ہے اور اسی بات پر امت کا اجماع ہے۔''(۵۷)

دار الحرب سے دار الاسلام کی جانب ہجرت کرنے کے وجوب سے متعلق عمومی بیان کے بعد ابن حفار فتوے کے دوسرے حصے میں استفتاء میں اٹھائے گئے سوالات کا جواب دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> ''اور اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک کفر کے علاقے سے نکلنا چاہے......اور دوسرا ایسا کرنے سے انکار کردے تو یہ انکار ہجرت موقوف کرنے کا عذر نہیں ہوگا، بلکہ ہجرت کرنے والے کو چاہیے کہ دوسرے کو چھوڑ کر وہاں سے نکل کھڑا ہو؟ کیونکہ دینی مصلحت دنیاوی مصلحت پہ مقدم ہے۔'' (۵۸)

کیا فریضۂ ہجرت کی ادائیگی شریعت کے مقرر کردہ دوسرے واجبات کو متأثر کرسکتی ہے؟ سوالات کے جوابات کے تناظر میں ابن حفّار کا موقف نفی میں ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

> ''اور میاں بیوی میں سے جو کوئی ہجرت کرنا چاہے اور اس کے ذمے اپنے ساتھی کا حق ہو تو ہجرت کرنے والے کو اس وقت تک نکلنا نہیں چاہیے جب تک کہ وہ دوسرے کو اس کا حق نہ ادا کر دے۔ پس شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کا حق، جیسے حق مہر یا کسی اور مالی ذمہ داری کو ادا کر کے ہی ہجرت کرے۔ اسی طرح اگر بیوی ہجرت کرنا چاہے جبکہ شوہر اس سے انکار کرے تو وہ بیوی کا حق ادا کردے۔''(۵۹)

۵۷- ایضاً

۵۸- ایضاً

۵۹- ایضاً

۶- احمد بن یحییٰ الونشریسی(۸۳۴ تا ۹۱۴ھ/ ۱۴۳۰ تا ۱۵۰۸ء) کی آراء

ابو العباس احمد بن یحییٰ بن محمد التلمسانی الونشریسی کا تعلق موجودہ الجزائر (Algeria) کے پہاڑی سلسلے بنی شقران (Beni-Chougran) سے تھا۔ ۸۷۴ھ میں آپ فاس منتقل ہوئے اور یہیں پر مستقل سکونت اختیار کی اور تدریس فقہ میں مشغول ہوگئے۔ آپ کا شمار نویں اور دسویں صدی ہجری کے ممتاز مالکی فقہاء میں ہوتا ہے۔ آپ نے کئی ضخیم کتب تصنیف کیں جن میں **کتاب القواعد فی الفقه، الفائق فی أحکام الوثائق** اور **المعیار المعرب والجامع المغرب عن فتاوی أهل أفريقية والأندلس والمغرب** مشہور ہیں۔(۶۰) آخر الذکر کتاب میں جو ۱۳ جلدوں پر مشتمل ہے، تیسری صدی ہجری(نویں صدی عیسوی) تا نویں صدی ہجری (پندرہویں صدی عیسوی) کے اندلس اور شمالی افریقہ کے اہل فقہ کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے اور اس میں اہل دجن سے متعلق مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔

امام ونشریسی نے اہل دجن کی آبادیوں کی شرعی حیثیت، ان پر فریضۂ ہجرت کی ادائیگی، نیز ہجرت کے بعد دار الحرب لوٹ جانے سے متعلق فقہی مسائل پر ایک اہم رسالہ: **أسنی المتاجر فی بیان أحکام من غلب علی وطنه النصاری ولم یهاجر، وما یترتب علیه من العقوبات والزواجر** تحریر کیا۔ اس رسالہ کو ڈاکٹر حسین مونس نے اپنی تحقیق اور مبسوط مقدمے کے ساتھ میڈرڈ میں واقع معہد الدراسات الاسلامیۃ(۶۱) کے مجلّے(۶۲) میں شائع کیا۔ یہی رسالہ **المعیار المعرب** میں بھی شامل ہے۔(۶۳) اہل دجن سے متعلق سخت موقف رکھنے والے فقہاء میں امام ونشریسی سرفہرست ہیں۔ ذیل میں اہل دجن کے فقہی مسائل سے متعلق امام ونشریسی کی چند آراء پیش کی جاتی ہیں۔

۶۰- دیکھئے :احمد بابا التنبکتی، **نیل الابتهاج بتطریز الدیباج**، (طرابلس:کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ،۱۳۹۸ھ/ ۱۹۸۹ء)،ص ۱۳۵-۱۳۷

۶۱- اس کا موجودہ نام Instituto Egipcio de Estudios Islamicos ہے۔

۶۲- ابو العباس احمد بن یحییٰ بن محمد التلمسانی الونشریشی ، "**أسنی المتاجر فی بیان أحکام من غلب علی وطنه النصاری ولم یهاجر، وما یترتب علیه من العقوبات والزواجر**"،صحیفۃ معہد الدراسات الإسلامیۃ فی مدرید، ج ۵،ص ۱-۲ (عدد خاص)، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۹ء،ص ۱۲۹-۱۹۱

۶۳- احمد بن یحیی الونشریسی، **المِعیَار المُعرَب والجامع المغرب عن فتاویٰ علماء إفریقیة والأندلس والمغرب** (بیروت، دار الغرب الاسلامی،۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) ج ۲،ص ۱۱۹-۱۳۳

۱- اجتماعی مصلحت کی بنا پر دارالحرب سے ہجرت کی تاخیر کیا کسی اجتماعی مصلحت کی بنا پر دار الحرب سے فریضۂ ہجرت کی ادائیگی مؤخر کی جا سکتی ہے؟

الف- پس منظر

۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے ساتھ ہی اندلس میں مسلم اقتدار کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔ غرناطہ بھی بیشتر اندلسی علاقوں کی طرح بذریعہ معاہدہ عیسائی تسلط میں آیا۔ معاہدے کی رو سے مقامی مسلمانوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ اس علاقہ سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ یہاں کی بیشتر مسلم آبادیاں علاقہ کو چھوڑ گئیں، تاہم یہاں اب بھی کئی علاقوں میں مسلمان موجود تھے۔ ان میں سے چند تو ہجرت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، تاہم بعض ایسے بھی تھے جو اس فریضے کی ادائیگی پر قادر تھے۔ امام ونشریسی کا یہ فتویٰ انہی افراد میں سے ایک شخص کے متعلق تھا جو اگرچہ علاقہ سے ہجرت کرنے کی استطاعت تو رکھتا تھا مگر ایک اجتماعی مصلحت کے پیش نظر ہجرت کرنے میں متذبذب تھا۔ یہ شخص مربلّہ (Marbella) کا رہائشی تھا۔ جب علاقے پر عیسائی تسلط قائم ہوا تو وہ جنگ میں اپنے گمشدہ بھائی کی تلاش میں مصروف ہونے کے باعث دار الاسلام کی جانب ہجرت نہ کرسکا۔ جب اسے بھائی کے ملنے کی امید باقی نہ رہی اور اس نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اسے ایک نئی صورت حال پیش آئی۔ یہ شخص محکوم مسلمانوں اور عیسائی حکمرانوں کے درمیان ترجمانی کا کام کرتا تھا اور انہیں احکام کے مظالم سے نجات دلاتا تھا۔ عمومی طور پر یہ کارخیر کوئی دوسرا شخص، حتی کہ مظلوم مسلمان بذات خود بھی سرانجام دینے سے قاصر تھے۔ اگر یہ شخص، علاقے سے ہجرت کر جاتا تو اس علاقہ اور قرب وجوار کے مسلمانوں کو عیسائی مظالم سے بچنے کا اہم سبب ختم ہو جاتا۔ اس پس منظر میں امام ونشریسی سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہ شخص ''ذمی مساکین'' مسلمانوں کے مفاد کے لیے دار الکفر میں ٹھہر سکتا ہے یا اس کے لیے وہاں ٹھہرے رہنا جائز نہیں، جیسا کہ ان لوگوں کو وہاں ٹھہرنا جائز نہیں جو وہاں رکے ہوئے ہیں، حالانکہ انہیں علاقہ چھوڑنے کی اجازت ہے؟ (۶۴)

ب-امام ونشریسی کا موقف

اس سوال کے جواب میں امام ونشریسی نے یہ موقف اختیار کیا کہ کفار کے علاقوں میں رہائش ہر حال

۶۴- المعیار المعرب، ج ۲، ص ۱۳۷

میں حرام ہے اور ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ ان علاقوں سے ہجرت کی جائے آپ فرماتے ہیں: ''ہر صاحب ایمان جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالی کے دشمنوں کے ساتھ رہائش اختیار کرنے سے گریز کرے اور (اگر دارالکفر کا رہائشی ہے تو اسے چھوڑتے ہوئے) اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔'' (٦٥)

سوال میں ذکر کردہ مصلحت کو امام ونشریسی سختی سے ناقابل اعتبار قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: ''اور جس معزز شخص کے وہاں ٹھہرنے کی جو یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دشمنان اسلام اور ''نافرمان'' اہل دجن کے درمیان ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے تو یہ وجہ ہجرت کے فریضے کی ادائیگی میں تاخیر کے سلسلے میں قابل قبول نہیں۔ ہجرت کے وجوب کو دیکھتے ہوئے سوال میں مذکور امور کا اعتبار وہی کر سکتا ہے جو یا تو (شریعت) سے نا بلد ہے اور پھر ایسا جاہل جو حقائق کو الٹ دیکھتا ہے اور اسے شریعت کے بنیادی تصورات (مدارک) کی سمجھ بوجھ نہیں، کیونکہ کفار کے ساتھ رہائش ایک گھڑی بھی جائز نہیں......'' (٦٦)

فتوے کے بقیہ حصے میں امام ونشریسی نے تفصیلی انداز میں یہ واضح کیا کہ کفار کے زیر اقتدار علاقے میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو ان واقعات سے سابقہ پڑتا ہے جن میں اسلام اور اس کے شعائر کی توہین کی جاتی ہے، نیز یہاں رہتے ہوئے اسلام کی بنیادی عبادات، نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور جہاد کو مکمل اور صحیح طریقے سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بعد امام ونشریسی فرماتے ہیں کہ ''کیسے کوئی اہل شرع اور صاحب ورع وتقویٰ کفار کے درمیان رہائش کی حرمت میں شک کر سکتا ہے۔'' (٦٧)

٢- ایک مسلم حکمران کے کیے ہوئے معاہدے یا صلح کی دیگر مسلم حکمرانوں پر پابندی

ایسے معاہدے یا صلح جو کسی علاقے کے مسلم حکمران اور کفار کے درمیان طے کیا دوسرے علاقوں کے مسلم حکمران بھی ایسے معاہدوں یا صلح کے پابند ہیں؟ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **یجیر علی المسلمین أدناهم** (٦٨) تمام مسلمانوں کے سامنے ایک ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔ (٦٩)

٦٥- ایضاً، ج ٢،ص ١٣٨

٦٦- ایضاً

٦٧- ایضاً، ج ٢،ص ١٣٩

٦٨- مسند أحمد بن حنبل، عن عمرو بن عاص مسند الشامیین:١٧٠٩٧

٦٩- اور پھر اس کی حفاظت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے

امام ونشریسی کا موقف تھا کہ اس حدیث کا اطلاق اس وقت ہو گا، جب تمام مسلمانوں کا ایک امام ہو...... اس صورت میں اگر کوئی مسلمان اہل حرب میں سے کسی کو پناہ دے تو تمام مسلمان اس بات کے پابند ہوں گے کہ اس سے لڑائی نہ کریں یا اسے قتل یا غلام نہ بنائیں۔مگر جب حکام، اور سلطنتوں کا اتحاد ختم ہو چکا ہے تو یہ پابندی ہونا بھی باقی نہیں رہی.....چنانچہ اہل شام ومصر کی اہل حرب کو دی گئی پناہ (ومعاہدات) اہل اندلس پر لازم نہیں۔[۷۰]

۳۔أسنی المتاجر فی بیان أحکام من غلب علی وطنه النصاریٰ ولم یهاجر، وما یترتب علیه من العقوبات والزواجر

الف–پس منظر

یہ فتویٰ امام ونشریسی نے ابوعبد اللہ بن قَطِیّہ کے مفصل سوال کے جواب میں تحریر کیا جو ان مسلمانوں کے بارے میں تھا جو اندلس سے ہجرت کرکے مراکش (المغرب) تو آ گئے، لیکن وہ یہاں مکمل طور پر آباد نہ ہوسکے اور روزگار کے مواقع کم ہونے کی بنا پر معاشی بدحالی کا شکار ہوئے، نیز وہ یہاں کے امن و امان کی صورت حال سے بھی مطمئن نہ تھے۔ اس صورت حال میں کچھ لوگ تو صراحت کے ساتھ اپنے ہجرت کرنے پر پشیمان ہوئے اور انہوں نے دار الاسلام (مراکش) اور انہیں ہجرت پر ابھارنے والوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ان میں سے چند افراد نے یہ کہا کہ 'کیا اِس علاقہ (مراکش) کی جانب ہجرت کرنی چاہیے!؟ بلکہ اُس علاقے (دار الکفر) کی طرف ہجرت کرنی چاہیے۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ اگر قشتالہ کا حاکم کبھی اس علاقے کی جانب آیا تو ہم اس کے پاس جا کر کہیں گے کہ وہ ہمیں وہاں (دار الکفر) لے جائے اور چند لوگوں نے بتایا ہے کہ وہ مسلسل اس موقع کی تلاش میں ہیں کہ وہ کسی طرح لوٹ جائیں۔ سائل نے استفسار کیا ہے کہ ایسے افراد کا مذکورہ عمل کس حد تک دینی ہے، یا ان کی عدالت کے لحاظ سے نقصان دہ اور قابلِ جرح ہے ؟ اس شخص کا شرعی حکم کیا ہے جو دار الاسلام ہجرت کرنے کے بعد دار الکفر لوٹ جائے؟ اگر کسی شخص پر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے ہجرت اور دارالاسلام کے خلاف سخت بات کہی ہے تو کیا اسے تأدیبی سزا دی جائے یا اسے وعظ ونصیحت کی جائے؟......کیا ہجرت کرنے کی شروط میں یہ بھی شرط ہے کہ صرف اس

۷۰- أحمد بن یحیی، المعیار المعرب، ج ۲،ص ۱۱۵

علاقے کی طرف ہجرت کی جائے جہاں پہنچتے ہی مہاجر کے دنیاوی معاملات اس کی تمنا کے مطابق پورے ہو جائیں، یا پھر تنگی و کشادگی اور سہولت ومشکل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حفاظت دین و اہل وغیرہ کو مدنظر رکھ کر یہ فریضہ سرانجام دیا جائے؟ (۷۱)

ب-فتوے کے اہم حصے

۱- دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کا فریضہ تا قیامت باقی ہے۔ اسی طرح ایسا علاقہ جہاں ظلم وستم اور فتنہ ہو، وہاں سے ہجرت کرنا لازم ہے۔ رسول اکرمﷺ کا ارشاد ہے: (**یوشک أن یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن**)(۷۲) ہجرت ان لوگوں پر بھی فرض ہے جن کے علاقوں پر ظالموں (کفار) نے قبضہ کرلیا ہے۔ ہاں ان لوگوں پر ہجرت کرنا معاف ہے جو ہر اعتبار اور صورت حال میں ہجرت کرنے سے عاجز ہیں۔(۷۳)

۲- فریضۂ ہجرت کی ادائیگی مؤخر کرنے کے سلسلے میں علاقے کے چھن جانے اور مال کے ضائع ہو جانے جیسے خطرات کا کوئی شرعی اعتبار نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا**﴾(۷۴)

مذکورہ آیت میں ان بے بس افراد (**مُسْتَضْعَفِين**) کو ہجرت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو کسی طرح بھی ہجرت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے: ﴿ **إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ**

۷۱- احمد بن یحییٰ، "اسنی المتاجر"، ص ۱۴۸-۱۵۰، المعیار المعرب، ج ۲، ص ۱۱۹- ۱۲۰

۷۲- ترجمہ :اس حدیث مبارک کو امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت أبو سعید الخدری سے روایت کیا ہے۔صحیح البخاری، **کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن۔**

۷۳- احمد بن یحییٰ، المعیار المعرب، ج ۲، ص ۱۲۱

۷۴- سورۃ النساء : ۹۷

وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلً﴾ اس کے برعکس جو افراد کسی طرح بھی صورت ہجرت کرنے کی استطاعت رکھتے تھے، ہجرت نہ کرنے کے سلسلے میں ان کی بے بسی کا عذر رد کردیا گیا ﴿كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا﴾ اس بنا پر اگر کوئی شخص ہجرت کرنے سے ہر طرح سے بے بس ہو جائے تو اس پر ہجرت کرنے کا فریضہ معاف ہے، تاہم وہ اس حالت میں اس مجبور شخص کی طرح ہوگا جسے کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کیا جائے۔ اس شخص کی دار الکفر میں رہتے ہوئے یہ نیت ہونی چاہیے کہ اگر اسے موقع ملا تو یہ فریضہ انجام دے گا۔(۷۵)

۳- قرآن پاک میں متعدد بار اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ کفار کی ولایت میں رہائش اختیار کی جائے۔ یا ان کے ساتھ تعلق موالات قائم کیا جائے ۔تکرار کے ساتھ مذکورہ امور سے منع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حرمت قطعی نوعیت کی ہے اور اس میں کوئی احتمال نہیں ہے ۔ یہ حرمت اپنی قطعیت میں ایسی ہے جیسے مردار اور خنزیر کے گوشت کھانے یا کسی کو نا حق قتل کرنے کی حرمت۔(۷۶)

۴- قاضی ابن رشد یا متقدمین فقہاء نے دار الکفر میں رہنے کی حرمت کا حکم جس صورت حال کے متعلق بیان کیا ہے اس میں کسی علاقہ میں بلحاظ وجود کفار کے درمیان ''رہائش'' کا مسئلہ ''اسلام'' کے وہاں نمودار ہونے سے مقدم ہے، جب کہ زیر بحث صورت حال اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ یہاں علاقے میں ''اسلام'' پہلے سے موجود ہے اور کفار کے درمیان ''رہائش'' کا مسئلہ بعد میں وقوع پذیر ہوا ہے۔ ان دوصورتوں کے درمیان واضح فرق اس بات کا متقاضی ہے کہ ان دونوں کے حکموں میں بھی فرق ہو۔ اس بات پر امام ونشریسی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مذکورہ فرق دراصل ظاہری اعتبار سے ہے یعنی ان دوصورتوں میں رہائش کی تقدیم و تاخیر ہے لیکن حقیقت میں ان دوصورتوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قاضی ابن رشد اور ان سے پہلے فقہاء کے سامنے پہلی صورت پیش آئی، اس لیے ان کی تالیفات میں اس صورت کا ذکر ملتا ہے، اگر دوسری صورت پیش آتی تو ان کا بھی یہی موقف ہوتا۔(۷۷)

۷۵- احمد بن یحیی، المعیار المعرب، ج ۲، ص ۱۲۱-۱۲۴

۷۶- ایضاً، ص ۱۲۳

۷۷- ایضاً، ص ۱۲۴-۱۲۵

۵- دارالحرب سے آئے ہوئے بعض مہاجرین کا روزگار اور گزر بسر میں تنگی کے سبب ہجرت کرنے پر ندامت کا اظہار کرنا بے عقلی اور ضعف ایمان کی نشانی ہے۔ یہ تنگی دار الحرب سے ہجرت کے فریضہ کو ساقط کرنے کی وجہ نہیں بن سکتی......(۷۸) دار الاسلام کے علاقے قوی وضعیف مسلمانوں کو سنبھالنے کے لیے کشادہ ہیں اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ان علاقوں کو اتنی کشادگی بخشی ہے کہ جس شخص پر کفر کے مظالم بجلی بن کر گریں تو دارالاسلام نے ایسے شخص کو اور اس کے اہل وعیال کو پناہ دی ہے۔(۷۹)

۶- ہجرت کرنے کے بعد اس پر پچھتاوا کرنا اور دارالحرب لوٹ جانے کی خواہش وسعی کرنا دراصل ختم ہو جانے والے دنیاوی فوائد، کو ہمیشہ رہنے والے اخروی فوائد پر ترجیح دینا ہے، جو کہ انتہائی خسارے کی ترجیح ہے۔'' کیا اپنی ہجرت پہ نادم ہونے والے کو معلوم نہیں کہ اس علاقے میں عقیدۂ تثلیث کا پرچار کیا جاتا ہے اور گھنٹے بجائے جاتے ہیں ، شیطان کی عبادت کی جاتی ہے اور رحمٰن کا انکار کیا جاتا ہے ۔حقیقت میں انسان کا دین ہی اس کے لیے اہم ہے، کیونکہ اس کی نجات اور اخروی سعادت کا دارومدار اسی پر ہے۔ اس لیے اس کو چاہئے کہ وہ مال کے علاوہ اس پر اپنی جان بھی لٹا دے۔(۸۰) ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ.﴾(۸۱)۔ نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيم.﴾(۸۲) مال کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ پھر مال سے چمٹے رہنے اور اس کے حصول کے لیے دشمنوں سے دوستی اور ان کی موالات اختیار کرنا کیسا ہے؟ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ ﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ.﴾(۸۳) اس

۷۸- ایضاً، ص ۱۳۱

۷۹- ایضاً، ص ۱۳۱

۸۰- ایضاً، ص ۱۳۱

۸۱- سورۃ المنافقون: ۹

۸۲- سورۃ التغابن: ۱۵

۸۳- سورۃ المائدہ: ۵۲

واقعے میں دَائِرَۃ سے مراد جائداد کا ضیاع ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کا کہ ان کے دل میں مرض ہے اور ان کا ایمان ضعیف۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو کسی کے لیے یہ رخصت نہیں رہی کہ وہ لوٹ جائے یا کسی حال میں ہجرت کے فریضہ کو انجام نہ دے اور چاہے اس حالت میں رہنے سے اس کو کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے یا اس کو کتنا ہی مشکل وسیلہ ملے۔(۸۴)

۷- علاقے کے حاکم کو چاہیے کہ وہ ایسے مہاجرین کو قید کرے جو اپنی ہجرت کے بارے میں نامناسب بات کرتے ہیں ، دار الاسلام کو برا بھلا کہتے ہیں، اور اس خواہش کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ وہ دار الشرک والاصنام لوٹ جائیں...... حاکم انہیں ایسی سزا دے جس سے یہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی بے حرمتی نہ کرسکیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا پھیلایا ہوا فتنہ بھوک، خوف اور مال وجاں کے ضیاع جیسے فتنوں سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ جو شخص بھوک وغیرہ کے فتنے سے اپنی جان گنوا بیٹھے، اس کے لیے اللہ کی جانب سے معافی کی امید ہے، جب کہ اپنا دین گنوا بیٹھنے والے کا انجام اللہ کا غضب ہے ۔(۸۵)

۸- مشرکین سے موالات، عیسائیوں کے درمیان سکونت، ہجرت کرنے سے انکار، کفار کی طرف میلان اور ان پر بھروسا، انہیں جزیہ ادا کرنے پر رضامندی وغیرہ...... یہ بہت بڑی برائیاں ہیں اور کفر کے ارتکاب کے قریب ہیں۔(۸۶)

۹- جو شخص ہجرت کے بعد واپس چلا گیا ہے یا واپس جانے کا خواہش مند ہے تو اس کی گواہی، فیصلے اور امامت قابل قبول نہ ہونے میں کیا شک ہے؟ بلکہ جس کو بھی فقہی مسائل سے مناسبت ہے اس کے لیے یہ حکم واضح ہے۔

۷-المَوّاق (۸۷۲ھ/۱۴۹۲ء) کا فتویٰ

محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری المَوّاق غرناطہ کے معروف فقیہ اور مفتی وخطیب تھے۔ مالکی مذہب کا مقبول ترین متن ''مختصر خلیل'' پر آپ کی شرح ''**التاج والإکلیل فی شرح مختصر خلیل**'' بڑی اہمیت کی

۸۴- احمد بن یحیی، المعیار المعرب، ج ۲، ص ۱۳۱

۸۵- ایضاً، ص ۱۳۲

۸۶- ایضاً

حامل ہے ۔ اس مقالے کی مباحث سے متعلق یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ آپ سقوط غرناطہ (۱۴۹۲ء) کے وقت اسی علاقہ میں موجود تھے۔[۸۷]

الف۔ پس منظر اور فتویٰ کے سوالات

زیر مطالعہ فتویٰ[۸۸] ایسے افراد سے متعلق ہے جن کے خاندان کے افراد دار الاسلام اور دار الحرب کی سرحدوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسے افراد کے آلام و مصائب دیگر مہاجرین کی نسبت گہرے اور دوررس تھے۔ ایسے ہی افراد میں سے ایک شخص جس کے والدین دار الحرب میں رہ گئے تھے، نے یہ سوالات ارسال کیے:

۱- اگر ایک شخص کے والدین یا دونوں میں سے ایک دار الحرب میں ہو تو کیا اس شخص پر ان کی زیارت واجب ، جائز یا مستحب ہے یا نہیں؟ اگرچہ یہ خدشہ ہو کہ ان کی دیکھ بھال یا زیارت نہ کرنے کے نتیجے میں ان سے رابطہ منقطع ہو جائے گا۔

۲- اگر ان والدین کی زیارت جائز ہے تو کیا یہ شخص ان سے ملاقات کے بعد لوٹ آئے، جب کہ اس کے والدین اس کے رکنے پر اصرار کریں؟ کیا یہی حکم اس صورت حال میں بھی ہے کہ اس شخص پر عیسائی قوانین نافذ ہوں اور اسے جان کا بھی خطرہ ہو؟

۳- اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو دار الحرب میں صاحب جائیداد ہو؟ کیا اس کے لیے بھی وہاں سے نکلنا واجب، جائز، یا مستحب ہے، چاہے ایسا کرنے سے اس کو مسلمانوں کے علاقے میں سوال کرنا یا بھیک مانگنا پڑے؟[۸۹]

ب- ابن موّاق کا موقف

ابن موّاق نے اپنے فتوے میں ہجرت کی استطاعت رکھنے یا نہ رکھنے کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا ہے

۸۷- مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو، محمد مخلوف، شجرۃ النور، ج ۱، ص ۲۶۲ أحمد بابا، نیل الابتھاج، ص ۵۶۱-۵۶۳

۸۸- اس کا عربی متن ، ترجمہ، اور مخطوط کی تصویر Miller, Muslim Minorities and the Obligation to Emigrate to Islamic Territory, 286-288 پر دیکھی جا سکتی ہے ۔ مخطوط میڈریڈ میں واقع سپین کی قومی مکتبہ (BN Madrid MS. 5324 fols 135v -136r (Biblioteca Nacional de Espana) میں موجود ہے

۸۹- ایضاً، ص ۲۸۶

کہ ''اگر والدین ہجرت کرنے پر قادر ہوں اور دار الحرب یا شرک کے علاقے سے بغیر کسی خوف و خطرے کے نکل سکتے ہوں تو ان کے لیے اس علاقے میں رہنا جائز نہیں۔'' مؤاق کے نزدیک ایسی صورت میں اُن پر ہجرت کرنا ہر حال میں فرض ہے خواہ اس کے لیے کتنی ہی بڑی مالی قربانی دینا پڑے، حتیٰ کہ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ چاہے اس سلسلے میں ان کو ''علاقہ چھوڑنے کی وجہ سے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے یا کسی کے آگے سوال کرنا پڑے۔''(۹۰) اس موقف کی تائید سلف صالحین کے عمل سے کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: ''حضور اکرمﷺ کے صحابہ نے ہجرت کی اور اپنے مال ومتاع پیچھے چھوڑ دیے اور اہل صفہ کے کئی افراد کی گزر بسر مسلمانوں کے صدقات پر ہوتی تھی۔ جب حضور اکرمﷺ کے پاس کوئی صدقہ وغیرہ آتا تھا تو آپﷺ اسے اہل صفہ کو بھجوا دیتے تھے۔''(۹۱) ان دلائل کی بنا پر مؤاق کے نزدیک اگر والدین ہجرت کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود دار الحرب یا دار الکفر کو نہ چھوڑیں تو ''ان کے بیٹے کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے والدین سے ملے زیارت کے لیے اور نہ کسی اور مقصد ہی کے لیے جو واجب نہیں۔''(۹۲)

دوسری صورت، جس میں والدین ہجرت کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، کو مؤاق نے مزید دو صورتوں میں تقسیم کیا۔ ایک یہ کہ بیٹا اتنی قدرت رکھتا ہو کہ وہ اپنے والدین کو دار الحرب سے نکال لائے، اس صورت میں مؤاق کہتے ہیں کہ اگر ''ان کے بیٹے کے پاس اتنی قدرت و استطاعت ہے کہ وہ ان کو وہاں (دارالحرب) سے نکالے اور کفر کی ذلت سے چھٹکارا دلائے تو ایسا کرنا اس بیٹے پر واجب ہے۔''(۹۳) اور اگر وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ ان کی زیارت کرے (اگرچہ زیارت کرنا اس امر کی بنا پر مستحب ہے کہ اس سے والدین کی رضامندی حاصل ہوگی) کیونکہ ایسا کرنے سے وہ کفر کی ذلت میں داخل ہو جائے گا جو کہ موجب گناہ و معصیت ہے اور مخلوق کی اطاعت ایسے امور میں جس میں خالق کی معصیت ہوتی ہو، جائز نہیں۔''(۹۴)

۹۰- ایضاً

۹۱- ایضاً

۹۲- ایضاً

۹۳- ایضاً

۹۴- ایضاً

فتوے کے سوالات سے ہٹ کر موّاق اسی فتوے سے متعلق ایک اہم مسئلے کی طرف آتے ہیں اور وہ ہے دار الحرب میں اہل علم کا دینی مصلحت کی غرض سے قیام۔ آپ کے نزدیک اہل علم اور فقہاء کا دار الحرب میں کسی دینی مصلحت کی وجہ سے قیام قابلِ طعن امر نہیں، چنانچہ ایک صاحب علم جن کا نام الفرج بن ابراہیم البسطی تھا (راقم کو ان کے بارے میں معلومات دستیاب نہ ہوسکیں) کو مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اور کاتب کی جانب سے سلام پہنچے الفرج بن ابراہیم البسطی کو، جو دار الحرب میں مختلف اماکن میں گھوم پھر رہے ہیں (نیز ان کو میری طرف سے یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ) وہ اپنی کوششوں میں تقویٰ اختیار کریں اور دوسروں کو بھی اسے اختیار کرنے کی نصیحت فرمائیں۔ شاید ان کا وہاں (دار الحرب میں) ٹھہرنا دوسرے لوگوں کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے معاون ومدد ہے۔ وہ (شاید اس لیے وہاں موجود ہیں کہ وہ اسلام کی سلامتی کے سلسلے میں) کسی موقع کی تلاش میں ہیں اور ایسا موقع فراہم کرنے میں اللہ تعالیٰ کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔'' (۹۵)

علاوہ ازیں موّاق کے نزدیک دار الکفر میں موجود کوئی فقیہ ہی بہتر طور پر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس کا وہاں رہنا یا چلے جانا دینی مصلحت یا مضرت میں کس قدر اثر انداز ہوگا۔ ''کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر دو ضرر اکٹھے ہو جائیں تو چھوٹے ضرر کا ارتکاب کر کے بڑے ضرر سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔'' ابن موّاق نے اس فتویٰ میں یہ بھی بتایا ہے کہ وہ دار الحرب میں رہنے کے سلسلے میں کئی فتاویٰ جاری کر چکے ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ ''جس کے پاس دار الحرب جانے یا وہاں قیام کرنے کے سلسلے میں عذر نہ ہو تو وہ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اور جس کو کوئی عذر در پیش ہے تو اس کی سزا میں معافی یا کمی اس عذر کی بنا پر ہے......'' (۹۶)

۸-احمد بن ابی جمعہ المغراوی الوہرانی کا خط

اہل دجن سے متعلق فقہی آراء اور رجحانات کو جاننے کے سلسلے میں ایک اہم دستاویز مغربی فقیہ احمد بن ابی جمعہ المغراوی الوہرانی کا خط ہے جو انہوں نے اندلس کے مورسکوں(Moriscos) کو لکھا تھا۔ احمد مغراوی کا تعلق الجزائر کے علاقہ وہران (Oran) سے تھا اور یہ خط رجب ۹۱۰ھ (نومبر ۱۵۰۴ء) میں لکھا گیا۔ اس

۹۵- ایضاً

۹۶- ایضاً

خط میں وہاں کے مورسکوں۔ (جو بظاہر جبراً عیسائی بنا دیے گئے تھے لیکن داخلی طور پر مسلمان تھے اور اسلامی احکام پر چھپ کر عمل کرتے تھے)، کے مسائل وحالات کی جھلک ملتی ہے۔ ایک اور قابل ذکر چیز جو اس تحریر میں موجود موقف کو دوسری آراء سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ اس میں جمہور اہل فقہ اور خصوصاً امام ونشریسی کے برعکس اندلس کے مسلمانوں کے بارے میں نرم اور ہمدردانہ موقف اختیار کیا گیا ہے۔ یہ خط مورسکوں کے درمیان کافی مقبول ہوا اور اس کے ایک سے زیادہ ترجمے مقامی زبان میں ہوئے جن کی نقول ۱۶۰۹ء تک سپین کے مختلف علاقوں میں موجود تھیں۔ (۹۷)

خط کے اہم حصوں کا ترجمہ

اللہ تعالی کی حمد اور حضور اکرمﷺ پر درود کے بعد یہ خط مورسکوں کو یوں مخاطب کرتا ہے: ''ہمارے بھائی جو اپنے دین (اسلام) کو ایسے تھامے ہوئے ہیں جیسے کسی نے انگارا تھاما ہوا ہو (**کالقابض علی الجمر**)(۹۸) اللہ تعالیٰ ان کو ثواب جزیل عطا فرمائے اس آزمائش پر جو ان پر ذات باری کے تعلق کی وجہ سے آن پڑی، اور ان تکالیف مصائب پر جو ان کو اور ان کی اولاد کو پہنچے اور اس پر انہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر صبر کیا (ہم سے دور اور اپنے ہی علاقوں میں) اجنبی (الغرباء)، مگر اللہ کے قریب (القرباء) اور جنت الفردوس میں نبی اکرمﷺ کے جوار میں مقیم ہوں گے۔ ان شاء اللہ......'' جان لو کہ یہ بت لکڑی اور پتھر کے بنے ہوئے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع ہی اور اصل بادشاہی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہی ہے۔ پس تم اس ہی کی عبادت کرو اور اس پر ثابت قدم رہو۔ نماز ادا کرو چاہے، اشاروں سے ہی سہی، اور زکوۃ دو چاہے وہ غریب کو ہدیہ کی صورت میں ہو

۹۷- دیکھئے:

Devin Stweart, "The Identity of "The Mufti of Oran", Abu l-'Abbas Amad b. Abi Jumah Al-Maghrwi Al-Wahrani (D. 917/1511) *Al-Qantara*, 27:2, 266.

۹۸- غالبا یہاں امام وہرانی کا اشارہ حضور اکرمﷺ کی اس حدیث کی طرف ہے جسے حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے:''**یأتی علی الناس زمان الصابر فیهم علی دینه کالقابض علی الجمر**''اس حدیث کو امام ترمذی نے کتاب **الفتن عن رسول اللہ ﷺ هل سمعتم أنه سیکون بعدی امراء فمن دخل علیهم فصدقهم بکذبهم وأعانهم علی ظلمهم فلیس منی۔**

یا دکھلاوے کی صورت، کیونکہ اللہ تعالی تمہاری صورتوں کونہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں۔ جنابت کی حالت میں غسل کرو چاہے کسی نہر میں غوطہ لگا کر۔ اگر تمہیں نمازیں پڑھنے سے روکا جائے تو ان نمازوں کی قضاء رات کو کر لو...... اور اگر عیسائی تمہیں نماز کے اوقات میں بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کریں یا اپنی عبادات میں حاضر ہونے پر مجبور کریں تو تم دل میں ایسی عبادات کا انکار کرو اور اپنی شرعی نماز کی نیت کر لو اور جو اشارے یا حرکات وہ بتوں کے آگے کرتے ہیں، تم بھی ایسی حرکات کرو، لیکن تمہاری عبادت کا مقصود اللہ تعالی ہونا چاہئے ...اگر وہ تمہیں شراب پینے پر مجبور کریں تو تم (انہیں دکھانے کے لیے) پی لو، مگر تمہاری نیت اس کے استعمال کی نہیں ہونی چاہئے، اور اگر یہ تمہیں خنزیر کھانے پر مجبور کریں تو تم اس کو کھا لو، مگر تم دل سے ایسا کرنا برا جانو اور تمہارا ایمان ہو کہ یہ حرام ہے۔ اگر یہ زبردستی تم سے اپنی بیٹیوں کی شادی کریں تو یہ اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے تم پر جائز (حلال) ہیں اور اگر یہ تمہاری بیٹیوں سے زبردستی نکاح کروانے پر تم کو مجبور کریں تو تمہارا اعتقاد ہو کہ اگر اکراہ نہ ہوتا تو ایسا کرنا حرام تھا، اور دلی طور پر تم ایسا کرنا برا سمجھو......اگر وہ تمہیں سودی یا دیگر حرام (مالی) معاملات کرنے پر مجبور کریں تو تم دل سے برا جانتے ہوئے ایسا کر لو، لیکن ایسے معاملات میں تمہارے لیے اصل سرمایہ کے علاوہ کچھ اور لینا جائز نہیں اور باقی رقم صدقہ کردو......اگر وہ تمہیں کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کریں تو اگر بطور توریہ مبہم کلمات سے کام چلتا ہو تو ایسا کرلو اور اگر ایسا نہ بن پڑے تو تم دل میں ایمان پر مطمئن رہتے ہوئے اور ان کلمات کو دل سے برا جانتے ہوئے (زبان سے) ادا کرلو ...اور جن معاملات میں آپ کو مشکل پیش آئے وہ ہماری طرف لکھ بھیجو، ان شاء اللہ اس بارے میں بھی ہم آپ کی رہنمائی کریں گے ...اور ہم اللہ کے حضور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام کی تصدیق کی اور اس پر راضی رہے۔[۹۹]

اہل دجن کے وجود اور ان کے مسائل سے متعلق فقہی آراء اور فتاویٰ کا تجزیہ

گزشتہ صفحات میں اندلس میں مسلم اقتدار کے زوال کے تاریخی واقعات اور اس تناظر میں پیدا شدہ چند اہم فقہی مباحث و فتاویٰ کا اختصار سے ذکر ہوا۔ مذکورہ معلومات کی بنیاد پر اگرچہ جامع تجزیہ کرنا یا قطعی نتائج پر پہنچنا ممکن نہیں، تاہم ان معلومات سے کچھ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۹۹- محمد عبد اللہ عنان، دولة الإسلام في الأندلس: العصر الرابع نهاية الأندلس وتاريخ العرب المتنصرين، ص۳۴۲-۳۴۴

اہل دجن سے متعلق فقہی مباحث کا جائزہ لینے سے قبل یہ بات ملحوظ خاطر رکھنا ہوگی کہ مجموعی طور پر اہل دجن کا عیسائی مقبوضہ علاقوں میں وجود اور بقا صرف اسی بنا پر نہیں تھا کہ وہ خود اپنے اختیار سے وہاں رکنا ، ٹھہر نا، یا عیسائی اقتدار میں محکومانہ زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ اس کے برعکس امر واقعہ یہ تھا کہ اندلس میں عیسائی فتوحات کے ابتدائی زمانہ میں (جب مسلمانوں کو یہ اجازت تھی کہ وہ دار الاسلام ہجرت کر جائیں یا وہیں ٹھہرے رہیں) وہاں کے رہائش پذیر مسلمانوں کی کثیر تعداد دار الاسلام کوچ کر گئی تھی۔ مگر بعد میں مختلف وجوہ اور گھمبیر اسباب ومسائل کی بنا پر یہ تعداد انتہائی کم ہوگئی اور وہاں کے مسلمانوں کے پاس اہل دجن بننے کے علاوہ کوئی راستہ نہ رہا۔

اس سلسلے میں اہم سبب تو یہ تھا کہ دار الاسلام کی جانب سفر کرنا آسان نہیں تھا اگرچہ مختلف علاقوں میں ہتھیار ڈالتے وقت مسلمانوں کو دیگر امور کے علاوہ اس بات کی یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ ان کو دارالاسلام کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت ہو گی، مگر جلد ہی اس کی خلاف ورزی ہونے لگی اور روز بروز مسلمانوں کو نئی نئی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائی حکمرانوں نے اپنی مسلم رعایا پر سفر کرنے کی پابندی عائد کر دی تھی اور کسی دوسرے مسلم علاقے کی جانب سفر کرنے کے لیے بھاری رقوم کے عوض اجازت نامے جاری ہوتے تھے۔ ان اجازت ناموں کے بغیر سفر کرنے والے مسلمانوں کو اپنی جائیداد واموال کے علاوہ اپنی آزادیوں سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے تھے۔ اجازت ناموں کے اجراء اور جرمانوں کے نظام کو برقرار رکھنا عیسائی حکمرانوں کی ایک مستقل پالیسی تھی، اس سے ان کے شاہی خزانے میں معتد بہ اضافہ ہوتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دارالاسلام کو جانے والا ہر راستہ رکاوٹوں سے اٹا ہوا تھا اور ہر موڑ پر مہاجرین کو نئی قسم کی پابندیوں کا سامنا تھا۔نقل وحرکت کی پابندیوں اور اس کے لیے اجازت ناموں کے حصول کے لیے بھاری رقوم صرف کرنا وہ اہم سبب تھا جس نے مسلمانوں کا اپنے پورے پورے خاندان کے ساتھ ہجرت کرنے کو ناممکن تو نہیں، مگر انتہائی مشکل ضرور بنا دیا تھا۔

عام مدجنوں کے علاوہ وہاں پر چند افراد جو ہجرت کرنے کی استطاعت رکھتے تھے، وہ بھی مختلف وجوہ کی بنا پر عیسائی مقبوضہ علاقوں میں رک گئے یا رکنا چاہتے تھے۔ ان کے رکنے کی ایک اہم وجہ وہاں پر مظلوم اور بے یار ومددگار مسلمانوں کی مدد کرنا تھی۔ اہل دجن سے متعلق کئی تاریخی شہادتیں اور واقعات سامنے آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہی صاحب استطاعت لوگوں نے اپنے ساتھی مسلمانوں کی گردنیں چھڑانے کے لیے مالی واخلاقی مدد فراہم کی ۔ اس کے علاوہ اہل دجن میں چند لوگ وہاں کے دینی معاملات چلانے

اور ان کے بارے میں شریعت کے موقف کی رہنمائی کے لیےبھی رکے ہوئے تھے ۔ ان افراد کوکسی درجہ میں عیسائی حکام اور مقامی مسلم آبادی کی حمایت حاصل تھی۔ نیز یہ افراد کسی پیچیدہ مسئلہ کےسلسلے میں دینی رہنمائی کے لیے دار الاسلام بھی جایا کرتے تھے اور وہاں سے فتاویٰ لا کر مقبوضہ علاقوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ان علاقوں میں اسلامی احکام پر عمل درآمد دراصل انہیں کے ہاتھ میں تھا۔

ایک اور اہم مشکل جو اہل دجن کو دار الاسلام کی جانب ہجرت کرنے سے روکے ہوئے تھی، وہ ان کی آبادکاری کا مسئلہ تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی میں مراکش (جہاں سے مرابطی اور موحدی سپہ سالار اور حکمران کئی سالوں سے اندلسی مسلمانوں کا عیسائی سلطنتوں سے دفاع کرتے آئے تھے) داخلی خانہ جنگی کا شکار ہوگیا تھا جس کے نتیجے میں علاقہ قتل وغارت اور شدید قسم کی قحط سالی کا بار بار شکار ہوا ۔ مجموعی طور پر موحدین اور بنو مرین کا دور حکومت علاقے کی معاشی بدحالی کا دور تھا۔ ان حالات میں اندلسی مسلمانوں کا مراکش کی جانب سفر کرنے کا فیصلہ ایک مشکل فیصلہ تھا ۔ چند فتاویٰ میں صراحت کے ساتھ اس امر کا ذکر ملتا ہے کہ جو مسلمان اندلس سے ہجرت کر کے مراکش پہنچے، وہ اپنی آبادکاری اور معاشی بدحالی کی وجہ سے خاصے پریشان ہوئے ۔

مذکورہ بالا اہم وجوہ کی بنا پر اہل دجن جن مخمصوں کا شکار ہوئے وہ یہ تھے: کیا (جان ومال کے اعتبار سے) صاحب استطاعت لوگ، جو عام طور پر اپنے گھروں کی کفالت کرتے تھے، اپنے خاندانوں کو پیچھے چھوڑ کر دار الاسلام چلے جائیں ؟ اگرنہیں تو کیا ہجرت نہ کرنے کی بنا پر وہ کسی مستقل اور جاری رہنے والے گناہ میں مبتلا تو نہیں ہو رہے تھے؟ کیا دار الحرب میں موجود مالدار اور اثر ورسوخ رکھنے والے مسلمان عیسائی حکام کے جانی ومالی مظالم میں پھنسے ہوئے اپنے ہم مذہب بھائیوں کی مدد کے لیے رکے رہیں یا پھر وہاں سے ہجرت کر جائیں؟ کیا اہل علم افراد (جن کا عیسائی مقبوضہ علاقے میں رکے رہنا شریعت کے کچھ احکام کے اجراء اور مدجنین کے اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لیے مؤثر تھا) کے ہجرت کرجانے سے عیسائی مقبوضہ علاقوں میں اسلام کا گزشتہ صدیوں سے وجود مزید تیزی سے ختم تو نہیں ہوجائے گا؟ انہی دینی ، اخلاقی اور جذباتی مسائل و مشکلات کا اہل دجن کوعمومی طور پر سامنا تھا اور اس کی واضح جھلک ہمیں فتاویٰ کے لیے پیش کیے گئے ان کے سوالات سے ملتی ہے۔

اہل دجن سے متعلق جن فتاویٰ کا ذکر اس مقالہ میں ہوا ہے یا اس کے علاوہ دیگر مباحث جو منصۂ شہود پر آئے ہیں، ان کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ مباحث بالواسطہ یا بلاواسطہ دار الحرب سے

ہجرت کی فرضیت اور عدم فرضیت سے متعلق تھے۔ اس مسئلہ میں تمام اہل علم کا اصولی طور پر یہی موقف رہا کہ اگر کسی مسلم علاقے پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو جائے تو وہاں رہائش پذیر مسلمانوں پر ہجرت فرض ہو جاتی ہے ۔ اس مرکزی مسئلے پر اجماع کے باوجود اہل دجن سے متعلق فقہی آراء میں فقہاء واہل علم کے دو اہم رجحانات سامنے آتے ہیں۔ پہلے رجحان میں ہجرت نہ کرنے والے افراد کی سرزنش اور توبیخ کے علاوہ ان سے متعلقہ احکام پر سختی نمایاں ہے۔ چنانچہ ایسے افراد کو نہ صرف سخت گناہ کا مرتکب قرار دیا گیا بلکہ ان کی عدالت کو بھی مجروح قرار دیا گیا اور ان کی شہادتیں ناقابل قبول ٹھہریں، نیز یہ لوگ امام یا قاضی بننے کے لیے بھی نا اہل ٹھہرائے گئے۔ یہ رجحان غالب اکثریت کا تھا جن کے نمائندہ فقہاء ونشریسی اور ابن ربیع تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ ان کا موقف کلاسیکی مالکی فقہ کی ایک توسیع ہے۔

اس رجحان کے برعکس اہل دجن سے متعلق فقہی مباحث میں دوسرا ہمدردانہ رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ اس نوع کے رجحان میں مصری قاضیوں کا فتویٰ، امام مازری کی آراء ، ابن حفّار، موّاق، احمد وہرانی کے فتاویٰ و آراء کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان اہل علم و فقہ کے نزدیک اگرچہ دار الحرب سے ہجرت کرنا قطعی طور پر فرض تھا، تاہم ان کے ہاں ہجرت نہ کر سکنے والے افراد کے بارے میں نرم اور ہمدردانہ رویہ تھا۔ اس رجحان کے فتاوی میں ہجرت نہ کرنے والے افراد کو گناہ کا مرتکب قرار دینے کے بجائے ان کو معذور سمجھا گیا، یا پھر معاملہ خود ان کے ضمیر پر چھوڑ دیا گیا، تاہم ان رجحانات کی تقسیم قطعی طور پر منضبط اور متعین نہیں ہے ۔

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ حنفی فقہاء کے ہاں دار الاسلام اور دار الحرب کی تعریف اور تعین سے متعلق سوالات جو خاص طور پر تاتاریوں کے مسلم دنیا پر حملوں کے تناظر میں پیدا ہوئے، وہ اہل دجن سے متعلق مباحث میں ذکر نہیں کیے گئے۔ کیا یہ سوالات مالکی فقہ سے ہم آہنگ نہیں تھے یا کیا مالکی فقہاء اندلس کو باقاعدہ اسلامی سلطنت کا حصہ نہیں سمجھتے تھے؟ یا تاتاری یلغار اورعیسائی فتوحات میں فرق تھا؟ یہ سوالات یا ان جیسے دیگر سوالات تشنۂ تحقیق ہیں۔

❁❁❁❁❁

اشتہار